ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
12 تا 18 دسمبر 2002ء

☆ بے ڈھنگی چال (اداریہ)
☆ حکمت دین کے چند اہم مباحث (منبر ومحراب)
☆ امت مسلمہ کا عروج و زوال (نیا سلسلۂ مضامین)

اسلامی نظام — انسانیت کے لئے آزادی کا پیغام

اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان بندے کی غلامی سے مطلقاً آزاد ہو جائے۔ اسلامی نظام ہی وہ واحد نظام زندگی ہے جو کسی انسان کو اِس ہمہ گیر آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کرۂ ارض میں جس قدر نظام ہائے حیات رائج ہیں ان میں لوگ بعض دوسرے لوگوں کو اپنا رب تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ دنیا کی بہترین سے بہترین جمہوریتوں میں اور بدترین سے بدترین آمریتوں میں یہی صورت حال ہے۔ ربوبیت کا پہلا خاصہ یہی ہے کہ لوگ اس رب کی بندگی کریں۔ وہ رب لوگوں کے لئے اجتماعی نظم، طرزِ زندگی، ضابطے، قوانین اور نیک و بد کے پیمانے وضع کرے۔ اس وقت دنیا میں جس قدر نظام ہائے زندگی رائج ہیں ان میں یہ حق بعض افراد کو حاصل ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں یہ حق لوگوں کے کسی مجموعے کو حاصل ہوتا ہے۔ لوگوں کا یہ گروہ جو دوسروں کے لئے اور نیک و بد کے پیمانے وضع کرتا ہے، ان کے لئے فکر اور فلسفہ وضع کرتا ہے، یہی وہ گروہ ہے جو اپنے آپ کو اس زمین پر رب بناتا ہے۔ یہی مفہوم ہے اس آیت کا کہ تم میں سے بعض بعض کو رب نہ بناؤ۔ ان لوگوں کے متبعین ان کو ربوبیت اور الوہیت کا مقام عطا کرتے ہیں اور پھر اللہ کے سوا ان کی بندگی کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان کے سامنے رکوع و سجود نہ کرتے ہوں، اس لئے کہ بندگی ایک عبادت ہے اور یہ صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

صرف اسلامی نظام وہ نظام ہے، جس میں انسان کے گلے سے غیر اللہ کی غلامی کا یہ جوا اترتا ہے اور وہ مکمل طور پر آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ اس قدر آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنے لئے تصورِ حیات، اپنے لئے اجتماعی نظم و نسق، اپنے لئے نظامِ زندگی اور طریقۂ حیات اور اپنے نیک و بد کے پیمانے سب کے سب صرف اللہ سے اخذ کرتا ہے۔ اور اس کی حیثیت بعینہٖ وہی ہوتی ہے جو اس کرۂ ارض پر کسی بھی دوسرے انسان کی ہوتی ہے۔

فقط اسی معنی میں اسلام اللہ کا دین ہے اور یہی دین ہے جسے تمام رسل لے کر آئے، اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو اس مفہوم میں مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کے اندر داخل کریں۔ اور لوگوں کے ظلم سے انہیں نکال کر اللہ کے انصاف کے اندر داخل کریں۔

(سید قطب شہید کی تفسیر ''فی ظلال القرآن''، جلد اوّل، ترجمہ سید معروف شیرازی، صفحہ ۶۲۴ سے ایک اقتباس)

سورۃ البقرہ (۸۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝﴾ (آیات : ۱۵۴ '۱۵۷)

''اور نہ کہا کرو انہیں جو قتل کئے جاتے ہیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک میں مبتلا کر کے اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنا دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بیشک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں' یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے نوازشیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں''۔

منصب امامت پر فائز کرنے کے بعد اس امت کو ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں اور انہیں آنے والے حالات کے لئے تیار کیا جا رہا ہے چنانچہ فرمایا کہ اب تو میدانِ کارزار گرم ہوگا' تمہیں اللہ کی راہ میں جانیں بھی دینی پڑیں گی' بہت سے لوگ شہید ہوں گے۔ لہٰذا پہلے ہی قدم پر کہہ دیا گیا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں اُن کو مردہ ہرگز نہ کہنا وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ دراصل جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتا ہے وہ اُسی وقت سیدھا جنت میں جاتا ہے اُسے یوم آخرت کا انتظار نہیں کرنا ہوتا۔ یوں اُس کی دنیا کی زندگی ختم ہوتے ہی آخرت کی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے وہ زندہ ہیں' اُن کے اوپر تو موت کا مرحلہ ایک خوشگوار تبدیلی کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ ہمیں اس کیفیت کا شعور نہیں۔

اس کے بعد وارننگ آ گئی کہ ہم لازماً تمہیں آزمائیں گے۔ انتہائی خوفناک حالات بھی سامنے آئیں گے۔ بھوک اور فقر و فاقہ سے واسطہ پڑے گا۔ مالی اور جانی نقصان برداشت کرنا ہوں گے۔ فصلوں اور پھلوں کا نقصان ہوگا۔ فصلیں تیار ہوں گی اور حکم ہو جائے گا کہ تبوک کی طرف چلو۔ فاقے تو پہلے ہی تھے اب یہ خوف دامن گیر ہوگا کہ فصل بھی تباہ ہو جائے گی۔ اس طرح بڑے کڑے امتحانوں میں سے گزرنا پڑے گا۔ مگر اے نبی اُن لوگوں کو بشارت دے دیجئے' جو جمے رہیں اور ڈٹے رہیں اور ہر آزمائش میں پورے اتریں۔ جب اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں یعنی ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ہمارا مالک' ہمارا پروردگار ہم پر جو بھی چیز بھیج رہا ہے وہ بسر و چشم ہمیں قبول ہے۔ ایسے لوگ ہرگز صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ نہ دکھ اور مصیبت میں چیختے چلاتے ہیں نہ حرف شکایت زبان پر لاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے عنایتیں اور مہربانیاں ہوں گی' اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت کی آخری منزل تک پہنچنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کی جانی چاہئے کہ ہم بھی اسی طریقے سے اللہ کے دین کے خادم بن کر کھڑے ہو جائیں اور اس راہ میں جو بھی تکلیف آئے اسے جھیلیں تاکہ سرخرو ہو کر جب اللہ کے ہاں پہنچیں تو ہمارا حشر بھی صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو۔

جسم کے ہر جوڑ کی جانب سے صدقہ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ وَيُعِيْنُ لِرَجُلٍ فِيْ دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُهٗ عَلَيْهَا اَوْ يَرْفَعُ لَهٗ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ وَبِكُلِّ خُطْوَةٍ يَّمْشِيْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ (رواہ البخاری)

''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے (جسم کے) ہر جوڑ پر روزانہ جب سورج نکلتا ہے تو صدقہ واجب ہوتا ہے۔ (یعنی ہر جوڑ کے شکریہ میں روزانہ انسان کو صدقہ کرنا ضروری ہے اور صدقہ کے لئے مال ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ اگر کوئی) دو آدمیوں کے درمیان انصاف (کا فیصلہ) کر دے تو یہ صدقہ ہے اور (اگر کسی) آدمی کی مدد کرے اور اُسے اُس کی سواری پر سوار کرا دے یا (نیچے سے) اُس کا سامان اٹھا کر دے دے تو یہ صدقہ ہے' اچھا بول بولنا صدقہ ہے' ہر قدم جو تو نماز کے لئے اٹھا کر چلے گا صدقہ ہے' راستہ سے تکلیف دینے والی چیز (کانٹا' پتھر' ہڈی' اور کیلے کا چھلکا وغیرہ) ہٹا دے تو یہ صدقہ ہے''۔ (بخاری و مسلم)

انسان کے جسم میں بے شمار نعمتیں ہیں۔ چھوٹی بڑی ہڈیاں' اعضاء و جوارح اور بدن کے جوڑ ہیں جن کے ذریعہ انسان کام کرتا ہے۔ اگر جوڑ نہ ہوں تو اعضاء کو ادھر اُدھر نہ کر سکے' نہ چلا سکے نہ کچھ اٹھا سکے بلکہ ایک تختہ سا بن کر رہ جائے۔ انسان کے جسم میں یہ جوڑ 360 ہیں۔ اس حدیث کی رو سے ان کے شکریہ میں انسان کو روزانہ صدقہ کرنا چاہئے۔ صدقہ کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے چند آپؐ نے بیان کی ہیں۔ حضرت بریدہؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لینے سے 360 جوڑوں کا صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’’بے ڈھنگی چال‘‘

ملکی سیاسی صورت حال تشکیل حکومت کے بہت سے ہفت خواں طے کرنے کے بعد آج جس صورت حال سے دوچار ہے اسے ہرگز قابل اطمینان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بالخصوص مرکز کی سطح پر ابھی جوڑ توڑ اور ہارس ٹریڈنگ کی ناگوار کارروائیاں جمہوری عمل کو نہایت بے رحمی کے ساتھ داغ دار کیے دے رہی ہیں۔ سیاسی تجزیہ نگاری کے حوالے سے ملک کے معروف صحافی و دانشور جناب ارشاد احمد حقانی صاحب کے گزشتہ روز کے کالم میں سیاسی صورت حال کا تجزیہ اعتدال اور جامعیت کا ایک عمدہ مرقع اور صورت حال کی نہایت حقیقت پسندانہ عکاسی کا مظہر ہے۔ ذیل میں مذکورہ کالم کے بعض حصے اس احساس کے تحت ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں کہ ع ’’میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!‘‘

’’10 اکتوبر کے انتخابات سے جو نیا جمہوری سفر شروع ہوا ہے اس کے مثبت اور منفی کلی ممکنات ظاہر ہونے میں تو ابھی وقت لگے گا لیکن جس طرح انگریزی میں کہتے ہیں :Morning tells the day‘ گزشتہ دو ماہ کے واقعات نئے سفر اور تجربے کے ممکنات کا اندازہ کرنے میں کچھ نہ کچھ ہماری مدد ضرور کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پارلیمنٹ میں ماضی کے مقابلے میں سیاسی ہیوی ویٹس کی تعداد زیادہ ہے اور متعدد جماعتوں کے سربراہ اس میں موجود ہیں۔ گریجوایشن کی شرط مناسب تو نہ تھی لیکن اس کا جزوی فائدہ بہرحال یہ ہے کہ نسبتاً زیادہ تعلیم یافتہ لوگ نئی پارلیمنٹ میں موجود ہوں گے (یعنی سینٹ کی تشکیل کے بعد) —— نئے حکومتی نظام کو ایک بڑی مشکل تو اس صورت میں درپیش تھی کہ اس کی بنیاد انتقالِ اقتدار پر نہیں اشتراکِ اقتدار کے فلسفے پر رکھی گئی ہے۔ حتی الوسع حکومت اور بڑی حکمران پارٹی میں بھی قیادت ایسے لوگوں کو دی گئی ہے جن کے ہاتھ پاؤں بھی بوجوہ بندھے ہوئے ہیں اور طبعاً بھی وہ زیادہ جارحانہ مزاج کے حامل نہیں۔ نیز سیاسی‘ سماجی‘ مذہبی اور خارجہ حوالے سے وہ کوئی بڑی اور دوٹوک کمٹ منٹ یا وابستگی نہیں رکھتے۔ صرف جمالی صاحب اور چودھری شجاعت صاحب ہی کو دیکھ لیجئے۔ دونوں مرنجاں مرنج سیاستدان ضرور ہیں لیکن ان کی نظریاتی جہت یا کمٹ منٹ کی تلاش کارِ بے سود کے سوا کچھ نہ ہوگی۔ عام حالات میں ایک نئی پارلیمنٹ کو جو ایک فوجی حکومت کے زیر اثر تشکیل پذیر ہوئی ہے اور جس کی سب سے بڑی جماعت کی شیرازہ بندی غیر مرئی اور نادیدہ قوتوں کی بڑی حد تک مرہون منت ہے‘ معمولاً جو اور جس قدر مشکلات پیش آ سکتی تھیں ان میں اس حقیقت نے اضعافاً مضاعفہ اضافہ کر دیا ہے کہ یہ ایک بڑی بے ڈھنگ ’’ہنگ پارلیمنٹ‘‘ ہے اور اپنی تمام تر مساعی اور ترغیبات اور ترہیبات کے باوجود حکمران پارٹی اور کولیشن تا حال مینڈکوں کی ایک پنسیری ہی ہے جس سے (محاورۃً) کچھ مینڈک پھدک کر باہر بھی ہو گئے تھے اور سمجھا جاتا ہے کہ اب واپس آ گئے ہیں۔ اس طرح کے ڈرامے ابھی اور کتنے دیکھنے کو ملیں گے‘ اندازہ ہی کیا جا سکتا ہے! معلق پارلیمنٹ کے بے ڈھنگے پن کی وجہ سے بھی حکمران گروہ ہارس ٹریڈنگ کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے اور ہر روز دو چار پرندوں کے اس کے جال میں آ جانے کی خبر موصول ہوتی ہے۔ اسی عمل کے بل بوتے پر غالباً وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد نے کہا ہے کہ جب جمالی صاحب جنوری میں اعتماد کا ووٹ لیں گے تو ان کے حق میں 200 ووٹ پڑیں گے۔ ایسا ہوا تو یہ چیز حکمران جماعت کے کریڈٹ میں جائے گی یا ڈس کریڈٹ میں‘ اس کا فیصلہ ہر آدمی اپنی ترجیحات کے مطابق کرے گا لیکن اصولوں کی کوئی اہمیت ہے تو گھوڑوں کی اس تجارت پر اظہارِ عدم اطمینان ناگزیر ہے۔ حکومت سازی کے اب تک کے مراحل میں تمام بڑی بڑی پارٹیوں کا کردار کچھ ایسا قابلِ رشک نہیں رہا۔ قائد لیگ تو چند معزز مستثنیات کے علاوہ چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والوں کا گروہ ہے۔ بینظیر بھٹو نے اپنی ذات اور اپنے شوہر کے حوالے سے بعض مطالبات پر بے لچک رویہ اختیار کر کے پارٹی کے اندر کمزور کردار کے لوگوں کو بغاوت کی راہ دکھائی۔ وہ صرف سیاسی اور آئینی اُمور پر مذاکرات کرتیں تو یہ بغاوت بھی نہ ہوتی‘ ایک مستحکم حکومت بھی وجود میں آ جاتی اور آخر کار بینظیر کو بھی زیادہ ریلیف مل جاتا—— لیکن حب عاجلہ ان پر غالب آ گئی اور اس وقت ان کی کیفیت یہ ہے کہ ’’نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم‘‘ حالانکہ پہلے مرحلے میں وہ اپنے ذاتی مسائل کو پس پشت ڈال دیتیں تو ان کے لئے ایک اچھی ڈیل حاصل کرنا آسان ہو جاتا۔ ایم ایم اے نظریاتی جماعتوں کا اتحاد سمجھا جاتا ہے لیکن اس نے اپنی عددی طاقت سے کہیں بڑھ کر عہدوں کا مطالبہ کیا اور بے لچک رویہ رکھا۔ بلوچستان میں حکومت بناتے ہوئے اپنے دو نیب زدہ ساتھی رہا کرائے اور قومی سطح پر ممنوع جماعتوں کے کارکن بھی صرف اپنے صوبے میں آزاد کرائے۔ جب کہا گیا کہ آپ نے اپنے نیب زدہ ساتھیوں کو کیوں رہا کرایا تو یہ دلچسپ جواب دیا گیا: ’’ہم نے تو کبھی نیب اور اس کے سارے عمل کو درست تسلیم ہی نہیں کیا‘‘۔ جب موقف یہ ہو تو حکمران پارٹی نے نیب کے حوالے سے جو کرتب اور ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے ایم ایم اے کو اس پر اعتراض کا حق باقی نہیں رہتا۔ ایک اطلاع کے مطابق قاضی حسین احمد نے مطالبہ کیا ہے کہ پانچ پی والے گروپ کو کابینہ سے نکال کر ان کو دی جانے والی وزارتیں ہمیں دی جائیں۔ میں نے چند روز پہلے لکھا تھا کہ قائد لیگ کے ساتھ اب ایم ایم اے کے اتحاد میں یہ نئی مشکل پیدا ہو گئی ہے کہ مجلس کو دینے کے لئے سینٹ کی چیئرمینی کے سوا کوئی بڑا عہدہ موجود نہیں ہے۔ حکومت اور ایم ایم اے کے درمیان بات تو کئی چھوٹی بڑی وجوہات کی وجہ سے رکی ہوئی ہے لیکن لحۂ موجود میں سب سے بڑی رکاوٹ اب یہ ہے کہ ایم ایم اے کو اس کی توقع اور خواہش کے مطابق مالِ غنیمت میں سے حصہ کس طرح دیا جائے۔ اتحاد کے حلقے کہتے ہیں کہ 58-2B اور سلامتی کونسل پر پایا جانے والا اختلاف بڑی حد تک حل ہو چکا ہے اور چودھری شجاعت یہ کہتے ہیں کہ صدر مشرف کی وردی کوئی تنازع ہی نہیں۔ پھر وصل میں کیا چیز حائل ہے؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایم ایم اے کو اس کی امنگوں کے مطابق حکومتی مناصب میں کس طرح حصہ دیا جائے۔ کل تک اتحاد والے کہہ سکتے تھے کہ ہمارا اختلاف تو اصولی ہے لیکن قاضی صاحب نے پانچ پی والوں کو کابینہ سے نکال کر ان کی وزارتیں اتحاد کو دینے کا مطالبہ کر کے بلی تھیلی سے باہر کر دی ہے اور اصولی موقف کے دعوے کی حقیقت واضح کر دی ہے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا‘ نئے جمہوری تجربے کے کلی مثبت اور منفی ممکنات تو وقت گزرنے پر سامنے آئیں گے لیکن گزشتہ دو ماہ کا تجربہ کچھ ایسا حوصلہ افزا نہیں اور باریک بین لوگوں کی زبانوں پر ابھی سے یہ سوال یا استفسار آنے لگا ہے کہ ٹھوس عوامی اور قومی مفادات کے حوالے سے نئے تجربے کی کیا افادیت ہے! صدر مشرف نے نئے انتخابی اور جمہوری

(باقی صفحہ ۷ پر)

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور | مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور | بانی: اقتدار احمد مرحوم
سی پی ایل نمبر: 127 جلد: 11 شمارہ 49 | پبلشر: اسعد احمد مختار طابع: رشید احمد چودھری | مدیر: حافظ عاکف سعید
سالانہ زرِتعاون: 250 روپے' قیمت: 5 روپے | مقام اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون 03-5869501 | نائب مدیر: فرقان دانش خان

حکمتِ دین کے چند اہم مباحث اور حقیقتِ انسان

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے 22 نومبر 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے۔ اس کے ایک وجود میں دو وجود جمع ہیں۔ ایک وجود ہمارا مادی یا حیوانی ہے جب کہ دوسرا وجود روحانی ہے۔ حیوانی وجود خاکی الاصل ہے' اس لئے اس کی نشوونما کے لئے خوراک بھی زمین سے حاصل ہوتی ہے۔ روحانی وجود سماوی ہے' اس لئے اس کی نشوونما اور تقویت کے لئے سامان بھی آسمان سے کلام ربانی کی صورت میں آیا ہے۔ روح کی تقویت کے لئے اللہ کا یہ پیغام ہر دور میں نازل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اپنی تکمیلی صورت میں حضرت محمد ﷺ پر اتر گیا۔

انسانی موت کے نتیجہ میں یہ دونوں عنصر علیحدہ ہو جائیں گے۔ جو زمین سے آیا تھا وہ زمین میں اور جو آسمان سے آیا تھا وہ وہاں چلا جائے گا۔

انسان کی حقیقت کے ضمن میں جب یہ بات سامنے آتی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ دین کے بہت سے پہلو واضح ہو جاتے ہیں۔

اصل میں دین کے تصورات کے تین Levels ہیں۔ (i) عام فقہی اسلام جس میں طہارت' پاکی و ناپاکی' وضو کے فرائض وسنن' غسل کے فرائض وسنن' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' وغیرہ کے احکام پر بحث کی جاتی ہے۔ عام طور پر لوگوں کے سامنے بس یہی تصورِ دین ہے۔

(ii) دوسرا دانشوروں کا ایک حلقہ ہے جو کہتا ہے کہ اسلام کا ایک سیاسی' معاشی اور سماجی نظام ہے۔ اسلام کا اپنا فوجداری قانون ہے' دیوانی قانون ہے وغیرہ۔

(iii) اس سے بلند ایک سطح ہے کہ جن چیزوں کو ہم بطور ایمان مانتے ہیں ان کی حقیقت اندر جھانکا جائے یعنی فرشتہ کیا چیز ہے؟ ہماری اصل حقیقت کیا ہے؟ زندگی کی اصل حقیقت کیا ہے؟ موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے؟ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم کہاں تھے؟ یہ وہ مابعد الطبیعیاتی سوالات ہیں جن سے آج کل بحیثیت مجموعی لوگوں کو کوئی دلچسپی نہیں۔ دینی مزاج والے افراد کو بھی نہیں اور سیکولر مزاج رکھنے والوں کو بھی نہیں۔ سیکولر مزاج کے حامل افراد کہتے ہیں کہ یہ دنیا تو سامنے کی شے ہے لہٰذا اس پر غور کرو' آخرت ہے یا نہیں ہمیں اس سے کیا سروکار؟ اسی طرح جسم چونکہ نظر آتا ہے' روح ہے یا نہیں' لہٰذا اس جسم کی فکر کرو۔ یعنہ حیات اخروی ہے یا نہیں لیکن یہ حیات دنیوی تو ہے لہٰذا اس کو بنانے کے لئے بھاگ دوڑ کی جائے۔ اس نظریئے کو Realism کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اس دور کی Human tragedy ہے کہ آج کا انسان اپنے آپ کو محض حیوان سمجھتا ہے' جیسے اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا۔

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولا بوزنا ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

منصور نے انا الحق کا نعرہ لگایا اور دار پر چڑھ گیا' ایک ان کی پہنچ تھی' ایک ڈارون کی پہنچ تھی جو کہتا ہے کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ بدقسمتی سے یہ Human tragedy جو کہ مغربی فکر کا حصہ ہے' اس کے مطابق انسان صرف حیوان ہے۔ ہمارے بعض مسلمان دانشور' علماء اور داعیانِ دین بھی اس مغالطے میں مبتلا ہیں' وہ روح اور زندگی کو ہم معنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زندگی تو پودے اور جانور میں بھی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ رُوح ایک علیحدہ وجود ہے اور اس حقیقت کے واضح نہ ہونے ہی کی وجہ سے دین کے بہت سے پوشیدہ حقائق سامنے نہیں آتے۔

پوشیدہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ قرآن مجید چونکہ تمام انسانوں کے لئے ہدایت بن کر آیا ہے اس لئے اس نے ان کی اکثریت یعنی عوام الناس کو ہی کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ ذہین اقلیت یعنی فلسفیوں اور دانشوروں کے لئے فلسفے کے خاص مسائل بھی بیان کئے ہیں۔ البتہ قرآن مجید ایسے مسائل کو بڑے خفی انداز میں بیان کرتا ہے تا کہ عام آدمی الجھن کا شکار نہ ہو۔ لیکن جس کے ذہن میں فلسفیانہ سوالات ہوتے ہیں اس پر اگر جسم' جان اور رُوح کی حقیقت واضح نہ ہو تو وہ بعض مقامات پر رک جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ذکر ہے کہ تمام انسانوں سے اللہ نے اس دنیا میں آنے سے پہلے عہد الست لیا تھا۔

لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عہد کب اور کن سے لیا گیا؟ یہ عہد دراصل اجسام انسانی کی تخلیق سے قبل ارواحِ انسانی سے عالم ارواح میں لیا گیا تھا۔ یہ عہد الست سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ تمام ارواح انسانی بہت پہلے پیدا کر دی گئی تھیں۔ یعنی وہاں حضرت آدمؑ سے لے کر آخری انسان تک کی ارواح موجود تھیں جس وقت یہ عہد ان سے لیا گیا۔ ورنہ یہ کہا جائے گا یہ کوئی تمثیل ہے اور اس کی کوئی واقعاتی حقیقت نہیں ہے۔ لیکن اگر روح کا علیحدہ وجود تسلیم کر لیا جائے تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے۔

ملائکہ اور انسانی روح ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں اور یہ دونوں نور سے پیدا کئے گئے۔ سائنس ابھی تک مادی کائنات کے آغاز (جسے Big bang کہا جاتا ہے) تک پہنچی ہے۔ Big bang کے بعد تو آگ پیدا ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کا دور چونکہ عالم غیب سے متعلق ہے اس لئے سائنس کی حدود سے باہر ہے۔ اس سے پہلے کے واقعات کی تفصیل ہمیں قرآن و حدیث میں ملتی ہے۔ وہ یہ کہ ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے ایک حرف ''کن'' سے نور پیدا ہوا یا اس حرف ''کن'' نے خود ایک نور کی شکل اختیار کر لی اور اس نور سے فرشتے اور ارواح انسانی پیدا کی گئیں۔ ان ارواح سے جو عہد لیا گیا اسے عہد الست کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ پہلے ارواح کی تخلیق ہوئی اور ان سے عہد لے کر انہیں سُلا دیا گیا یہ پہلی موت تھی۔ اس کے بعد Big bang ہوا اور مادی ارتقاء کے عمل کا آغاز ہوا یہاں تک کہ حیات ارضی نمودار ہوئی۔ اس حیات ارضی کی بلند ترین شکل میں آدم کا ہیولیٰ تیار ہو گیا۔ جیسا کہ سورۃ الحجر میں فرمایا گیا:

''جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں' جب میں اسے مکمل کر دوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں' پس تمام فرشتے جھک گئے سوائے ابلیس کے۔ اس نے کہا میں ان سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوں گا''۔ (آیات: 28 تا 31)

اسی طرح قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ابلیس کا بیان ہے کہ میں اسے کیسے سجدہ کروں' تو نے اسے کیچڑ سے بنایا ہے جبکہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے۔

آج کے انسان کی سوچ یہی ابلیسی سوچ ہے۔ ابلیس نے بھی یہی دھوکہ کھایا تھا' وہ رُوحِ انسانی کے مرتبے سے واقف نہیں تھا کہ وہ کتنی اونچی چیز ہے جو اس آدمی میں پھونکی گئی تھی۔ اسے صرف انسان کا خاکی وجود نظر آیا جو واقعتاً ''کم تر'' ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں سورۂ مومن میں ہے:

''وہ (جہنمی) کہیں گے! اے اللہ تو نے دو مرتبہ ہمیں مارا' دو مرتبہ زندہ کیا۔ اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا' اب یہاں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ ہے یا نہیں''۔ (آیت: 11)

اب یہ دو مرتبہ پیدا کرنا اور مارنا کیسے سمجھ میں آئے گا جب تک یہ نہ مانیں کہ سب سے پہلے ارواح پیدا کی گئیں اور سلا دی گئیں' یہ پہلی موت ہوئی۔ اس عالم میں روح کے ساتھ آئے اور جسد مل گیا تو یہ پہلا احیاء ہو گیا۔ اس عالم سے جائیں گے تو روح جہاں سے آئی تھی وہاں چلی جائے گی اور جسم جو مٹی سے تھا مٹی میں چلا جائے گا۔ یہ دوسری موت ہوئی۔ پھر قیامت کے روز کھڑا کر دیا جائے گا یہ دوسرا احیاء ہو گا۔ قرآن میں دو مرتبہ کے احیاء اور دو مرتبہ کے موتی کا عقدہ صرف روح کی حقیقت کے آشکارا ہونے کے باعث ہی ہم پر کھل سکتا ہے۔

آگے چلئے قرآن میں ایک جگہ بظاہر تضاد نظر آتا ہے جہاں فرمایا کہ انسان کو ہم نے احسن تقویم پر پیدا کیا' ایک اور جگہ فرمایا کہ انسان کو ہم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ پہلے دونوں ہاتھوں کا مطلب سمجھ لیجئے۔ عالم دو ہیں' ایک عالم امر یعنی عالم ارواح' دوسرا عالم خلق جو Big bang سے شروع ہوا۔ انسان میں یہ دونوں عالم جمع ہیں۔ فرشتہ صرف عالم امر کی شے ہے اور جن صرف عالم خلق کی شے ہے۔ جبکہ انسان کا حیوانی وجود عالم خلق اور روحانی وجود عالم امر سے ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔

چنانچہ انسان ایک طرف تو مسجود ملائک ہے' خلیفہ ہے' جبکہ دوسری طرف قرآن میں ہے:

انسان کمزور پیدا کیا گیا' انسان بڑا جلد باز ہے' انسان بڑا تھڑ دلا ہے' یہ ظالم ہے' جاہل ہے۔

یہ بظاہر تضاد ہے لیکن یہ بات اس وقت کھل جاتی ہے جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ اس کا ایک وجود روحانی ہے جس کی بنا پر مسجود ملائک ہوا کیونکہ انسان کا روحانی وجود بہت بلند ہے' جبکہ حیوانی وجود بہت نیچے ہے۔ پس انسان روح کے اعتبار سے احسن تقویم اور اس حیوانی وجود کے اعتبار سے اسفل سافلین ہے۔ ہمارا حیوانی وجود تو جانوروں سے بھی زیادہ ناقص ہے۔ شیر اور ہاتھی کے مقابلے میں ہمارے پاس کون سی طاقت ہے؟ بعض جانوروں میں سونگھ کر چیزوں کو پہچاننے کی صلاحیت انسان سے بہت زیادہ ہوتی ہے تو کس اعتبار سے ہم خیر الخلائق ہیں۔ صرف اس روح کے اعتبار سے انسان اشرف المخلوقات قرار پاتا ہے۔

یہاں ایک حدیث میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں' جس کے راوی عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''حضور ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک تخلیق کے دوران رحم مادر میں 40 دن تک نطفے کی شکل میں ہوتی ہے اس کے بعد اتنی ہی مدت میں وہ علقہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اتنا ہی عرصہ میں مزغہ کی شکل میں تبدیل ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک فرشتے کو بھیجا جاتا ہے کہ اس میں روح پھونک دے''۔ چنانچہ وہ روح جو سوئی ہوئی تھی لا کر اس میں پھونک دی جاتی ہے۔ ان چار ماہ سے پہلے یہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے انسان نہیں ہے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آدمؑ کو تیار کیا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی اسی طرح آدمؑ کی اولاد میں سے اگر کوئی رحم مادر میں تیار ہو رہا ہے تو 120 دن بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے تب وہ انسان بنتا ہے۔

اسی طریقے سے حقیقت وحی کیا ہے؟ اس میں بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں۔ سر سید احمد خان نے فرشتے کا ہی انکار کر دیا کہ اس کا کوئی وجود نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر حضور ﷺ پر وحی کیسے آئی۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کے دل کی آواز تھی جو ابھر کر آ گئی۔ یہی خیال ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے پیش کیا۔ ان کے الفاظ تھے کہ ''اسے یہ بھی کہا جا سکتا ہے یہ خدا کا کلام ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ محمد کا کلام ہے'' نعوذ باللہ من ذلک۔ اسی وجہ سے اس پر کفر کا فتویٰ لگا اور 1968ء میں اس کے خلاف تحریک چلی اور ایوب خان کی حکومت کے ایوان ہل گئے۔ تب یہ ملک چھوڑ کر چلا گیا اور شکاگو میں فوت ہوا۔

وحی کیا ہے؟ یہ بھی روح ہے۔ جو حضور ﷺ کے قلب پر نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے آنکھوں سے فرشتے کو وحی کرتے نہیں دیکھا۔ اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ نے صرف دو مرتبہ جبرائیل کو دیکھا۔

اصل میں کلام الٰہی روح نے روح کو Communicate کیا ہے۔ جگر نے نہ جانے کس کیفیت میں کہا تھا۔

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو
روح سنے اور روح سنائے
جہل خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے
پائے وہ کیونکر دل بہلائے
غم بھی جس کو راس نہ آئے
جھوٹی ہے ہر ایک مسرت
روح اگر تسکین نہ پائے
کار زمانہ جتنا جتنا
بنتا جائے بگڑتا جائے
نغمہ وہی نغمہ ہے کہ جس کو
روح سنے اور روح سنائے

یہ نغمۂ وحی روح القدس نے روح محمدی ﷺ کو سنایا۔ ہم اگر روح کے علیحدہ وجود کو نہ مانیں گے تو یہ چیزیں کیسے سمجھ میں آئیں گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ آپؐ کو نبوت کب ملی؟ تو فرمایا ابھی آدمؑ جسد اور روح کے درمیان تھے میں اس وقت بھی نبی تھا''۔ (ترمذی)

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح حسن ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''تمام عبادات انسان کے اپنے لئے ہیں سوائے روزے کے' وہ میرے لئے ہے میں خود اس کا بدلہ دوں گا یا میں خود ہی اس کا بدلہ ہوں''۔

یہ سب کیسے سمجھ میں آئے گا۔ صوم دراصل روح ربانی کو تازہ کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور اس روح کا براہ راست تعلق اللہ کے ساتھ ہے۔ اس تعلق کے لئے مولانا روم نے الفاظ استعمال کئے۔

اتصال بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

رب الناس (اللہ تعالیٰ) اور جان ناس (انسان کی روح) کے درمیان اتصال ہے' لیکن یہ اتصال کیسے ہوتا ہے ہمیں اس کی کیفیت نہیں معلوم اور ہم اسے کسی چیز پر قیاس بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اس جیسی کوئی مثال بھی نہیں ہے۔ البتہ اس کیفیت کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

جیسے ہم نہیں جانتے کہ جان ہمارے جسم میں کہاں ہے' کہاں سے نکلتی ہے' کہاں رہتی ہے۔ یہ جسم کے کس حصے سے متعلق ہے آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔ روح تو زندگی سے کہیں لطیف شے ہے۔ جب ہم زندگی کا قیاس نہیں کر سکتے حالانکہ یہ جسم سے جڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح روح کا تعلق اللہ سے ہے۔ اس معاملے میں ایک فارسی شعر اور آگے چلا گیا ہے۔

جاں نہاں در جسم او در جاں نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

یعنی جان جسم میں نہاں ہے اور روح اس جان کے اندر ہے جبکہ اللہ کی معرفت روح کے اندر ہے۔

اس بات کو ایک اور مثال سے بلا تشبیہ سمجھئے۔

سورج کی کرن کروڑوں میل دور آ کر بھی سورج سے منقطع نہیں ہوتی اسی طرح روح انسانی ذات باری سے منقطع نہیں ہے۔ لہٰذا جس نے اپنی روح کی حقیقت کو پا لیا اس نے اللہ کو پا لیا۔ حضرت علیؓ کے قول ((**من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**)) کا یہی مطلب ہے۔

اس آیت قرآنی کا مطلب بھی روح کا عقدہ سمجھ لینے کے بعد ہم پر واضح ہوتا ہے جہاں فرمایا گیا:

''مت ہو جانا ان لوگوں کی مانند جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ (اپنی حقیقت) سے غافل کر دیا''۔

امتِ مسلمہ کا عروج وزوال

سید قاسم محمود

عروج' زوال' پھر عروج' پھر زوال۔ اب تک تاریخ انسانیت یہی داستان دہراتی رہی ہے۔ تاریخ اسلام میں احیائی وتجدیدی تحریکیں وہاں اٹھتی رہی ہیں' جہاں زوال و پستی کے اسباب ووجوہ بہت گھنے اور گھناؤنے ہوگئے تھے۔

امتِ مسلمہ کے عروج وزوال کا ایک اجمالی خاکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے ایک شاندار مقالے میں کھینچا تھا' جس کا اصل مقصد تو موجودہ احیائی مساعی کا اجمالی جائزہ لینا تھا' لیکن بطور پس منظر اُنہوں نے اُمت مسلمہ کے عروج وزوال کی داستان بھی انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کی تھی۔ یہ مقالہ ڈاکٹر صاحب نے 1974ء میں سپردِ قلم کیا تھا' پھر ماہنامہ ''میثاق'' میں چھپ کر کتابچے کی صورت میں بار بار شائع ہوتا رہا ہے۔ یہ مقالہ ایک کتابچے بہ عنوان ''تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر'' میں شامل ہے۔ اس مقالے کا خلاصہ ڈاکٹر صاحب کی تصنیف ''استحکامِ پاکستان'' میں بھی شامل ہے۔ یہ خلاصہ در خلاصہ اتنا مختصر' جامع اور مفید ہے کہ قارئین ''ندائے خلافت'' اگر پہلے بھی اس کا مطالعہ کر چکے ہیں تو اس سلسلۂ تحریر میں بطورِ قندِ مکرر ملاحظہ کر کے گھاٹے میں نہیں رہیں گے:

''اپنی ہیئتِ تشکیلی کے اعتبار سے اُمتِ محمدؐ کے دو حصے ہیں۔ پہلا اُمیین یعنی بنی اسماعیل' جسے اِس اُمت کے قلب یا مرکز کی حیثیت حاصل ہے' اور دوسرا ''آخرین'' یعنی دیگر اقوام' خواہ وہ کرد ہوں یا ترک' اہلِ فارس ہوں یا اہلِ ہند' افغان ہوں یا مغل' اہل حبش ہوں یا بربر' مشرق بعید یعنی ملائیشیا اور انڈونیشیا سے تعلق رکھتے ہوں یا مغرب بعید یعنی مراکش اور موریطانیہ سے۔

1) اُمت مسلمہ کا پہلا دورِ عروج ''اُمیین'' کی زیر سرکردگی لگ بھگ تین صدیوں پر پھیلا ہوا تھا' اس لئے کہ اگرچہ ویسے تو دورِ خلافت راشدہ' دورِ بنی اُمیہ اور دورِ بنی عباس کی مجموعی مدت سوا چھ سو سال بنتی ہے' لیکن اس میں سے اصل دبدبہ' مرکزیت اور خالص عربی شوکت وسطوت کا دور تین سو سال کو محیط ہے۔

2) اس کے بعد کے چار سو سال زوال کے دورِ اول پر مشتمل ہیں۔ اوّلاً شمال سے صلیبیوں کا سیلاب آیا' جس نے شام کے ساحلی علاقوں کو تاخت وتاراج کیا اور 1099ء میں یروشلم کو فتح کر کے مسجدِ اقصیٰ کی حُرمت بھی پامال کی اور لاکھوں مسلمانوں کو بھی تہ تیغ کیا۔ اور پھر مشرق سے تاتاریوں کا سیلاب آیا جس کے دوران نہ صرف یہ کہ لاکھوں نہیں' کروڑوں مسلمان قتل ہوئے' بلکہ 1258ء میں بغداد کی تباہی کے ساتھ خلافتِ عباسیہ کا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

3) اس کے بعد پھر دوسرا دورِ عروج آیا' لیکن ''اُمیین'' یعنی عربوں کی زیرِ قیادت نہیں بلکہ ''آخرین'' یعنی غیر عرب اقوام میں سے ایک نہایت قوی اور دانا قوم کی زیرِ قیادت۔ اللہ نے پہلے انہیں مسلمانوں کی پیٹھ پر عذاب کے کوڑے کے طور پر استعمال فرمایا اور بعد ازاں اُنہی کو نہ صرف یہ کہ اسلام کی توفیق دے دی' بلکہ عالمِ اسلام کی قیادت بھی انہی کے حوالے کردی۔ چنانچہ اولاً ترکانِ سلجوقی میدان میں آئے' پھر ترکانِ صفوی' ترکانِ تیموری اور ترکانِ عثمانی جن کے ہاتھوں عظیم سلطنتوں کی بنیاد پڑی۔

4) اُمت مسلمہ کا دوسرا دورِ زوال یورپی استعمار کے سیلاب کے نتیجے میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ ہسپانیہ کی یونیورسٹیوں کے ذریعے علم وحکمت اور فلسفہ وسائنس کی قوتوں سے مسلح ہو کر یورپی اقوام جب بیدار ہوئیں تو پہلے انہوں نے دولتِ ہسپانیہ ہی کو ہڑپ کیا اور پھر 1498ء میں راس اُمید کے راستے کی دریافت کے بعد مغربی استعمار کا سیلاب اس طویل بحری راستے کے ذریعے عالمِ اسلام کے دائیں بازو پر حملہ آور ہوا' اور یہ عمل بیسویں صدی کے آغاز میں پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر تکمیل کو پہنچا' جب عظیم سلطنت عثمانیہ کا نام ونشان مٹ گیا اور صرف ایک چھوٹا سا ملک ترکی باقی رہ گیا۔ خلافتِ اسلامیہ کا چراغ گل ہوگیا اور پورا عالمِ اسلام یورپی اقوام کی براہ راست یا بالواسطہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ اُمت مسلمہ کے اِس دوسرے دورِ زوال کے تتمے کے طور پر 1967ء میں مسلمانوں کے عہدِ تولیت کے دوران بھی دوسری بار مسجدِ اقصیٰ کی حرمت پامال ہوئی اور گزشتہ اٹھارہ سال (اور اب 35 سال سے) مسلمانوں کا یہ قبلۂ اول ایک مغضوب وملعون قوم کے قبضہ وتسلط میں ہے۔

زوال کے اسباب

جب پوری دنیائے اسلام پر مغرب کا قبضہ وتصرف ہوگیا تو اہلِ فکر کو امتِ مسلمہ کے زوالِ اسباب جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی اور تقریباً ہر اسلامی ملک میں اپنے گریبان میں جھانکنے اور اپنے رویوں پر تنقید کرنے کا وطیرہ شروع ہوا۔ مثلاً انڈونیشیا کے شیخ الاسلام مولانا محمد بسیونی عمران نے دنیائے عرب کے مشہور مفسر ومفکر علامہ رشید رضا سے سوال کیا: ''قرآن مجید کے اس وعدے کے باوجود کہ اہلِ ایمان دنیا میں باعزت رہیں گے' آج کل کے مسلمان ہر جگہ مجبور ومقہور کیوں ہیں؟'' اور اصرار کیا کہ اس کا جواب اپنے شہرۂ آفاق رسالہ ''المنار'' میں شائع کریں۔ علامہ رشید رضا نے یہ سوال شام کے مفکر امیر البیان علامہ شکیب ارسلان کو بھیج دیا۔ سوال کا دیکھنا تھا کہ ان کی حساس طبیعت نے اثر لیا اور ان کا اشہب قلم رواں ہوگیا۔ امیر البیان کا جواب ایک مقالے کی شکل میں بہت جلد کتابی صورت میں شائع ہو کر دنیائے اسلام میں مقبول ومعروف ہوا۔ انہوں نے زوال کے ان دس اسباب پر تفصیل سے روشنی ڈالی (1) جانی اور مالی جہاد سے پہلوتہی (2) اپنے دین اور قوم سے غداری اور دشمنوں سے وفاداری (3) جہالت (4) کم علمی (5) اخلاق کا زوال (6) علماء اور حکمرانوں کا زوال (8) الحاد پروری (9) قدامت پسندی (10) اسلامی تہذیب اور مذہب سے روگردانی۔

ہر اسلامی ملک کے زندہ وحساس طبیعت کے مفکروں' دانشوروں' ادیبوں اور شاعروں نے اپنے اپنے قومی وملی درد کا اظہار کیا۔ برصغیر میں مولانا حالی کی ''مسدس'' وجود میں آئی:

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جذر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اقبال نے اللہ تعالیٰ کے حضور' حاضر ہو کر شکوہ و شکایت سے اپنا دل چیر کر رکھ دیا:

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

آزادی اور نشاۃ ثانیہ کی خواہش

مغربی استعمار سے سیاسی آزادی' معاشی نجات کے لئے اور اپنی دینی وروحانی اقدار اور مذہبی عقائد وروایات کے دوبارہ عروج کی خواہش ہر مسلمان کا جزوِ ایمان بن گئی۔ مفکروں' ادیبوں اور علمائے حق نے اسبابِ زوال کی گنتی کے بعد ان کے تنقیدی تجزیے کئے اور دوبارہ عروج کے لئے اسلام کے اصلی' حرکی' روشن اور مثبت پہلوؤں کو ازسرِنو پوری شدت وقوت سے اجاگر کیا۔ مثلاً مولانا سید ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''شروع ہی سے اسلام کے قلب وجگر (اندرون) اور اس کے اعصاب پر ایسے (بیرونی) حملے ہوئے ہیں کہ دوسرا مذہب ان کی تاب نہیں لاسکتا۔ دنیا کے دوسرے مذاہب جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں

دنیا فتح کر لی تھی' اس سے کم درجے کے حملوں کو سہار نہ سکے اور انہوں نے اپنی ہستی کو گم کر دیا' لیکن اسلام نے اپنے ان سب حریفوں کو شکست دی اور اپنی اصل شکل میں قائم رہا۔ ایک طرف باطنیت اور اس کی شاخیں اسلامی روح اور اس کے نظامِ عقائد کے لئے سخت خطرہ تھیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کو زندگی سے بے دخل کرنے کے لئے صلیبیوں کی یورش اور تاتاریوں کا حملہ بالکل کافی تھا۔ دنیا کا کوئی دوسرا مذہب ہوتا تو وہ اس موقع پر اپنے سارے امتیازات کھو دیتا اور ایک تاریخی داستان بن کر رہ جاتا' لیکن اسلام ان سب داخلی و خارجی حملوں کو برداشت کر گیا اور اس نے نہ صرف اپنی ہستی قائم رکھی بلکہ زندگی کے میدان میں نئی نئی فتوحات حاصل کیں۔ تحریفات' تاویلات' بدعات' عجمی اثرات' مشرکانہ اعمال و رسوم' مادیت' نفس پرستی' تعیشات' الحاد و لادینیت اور عقلیت پرستی کا اسلام پر بارہا حملہ ہوا' اور کبھی کبھی محسوس ہونے لگا کہ شاید اسلام ان حملوں کی تاب نہ لاسکے اور ان کے سامنے سپر ڈال دے' لیکن امتِ مسلمہ کے ضمیر نے صلح کرنے سے انکار کر دیا اور اسلام کی روح نے شکست نہیں کھائی۔ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوئے' جنہوں نے تحریفات و تاویلات کا پردہ چاک کر دیا اور حقیقت اسلام اور ''دین خالص'' کو اجاگر کیا۔ بدعات اور عجمی اثرات کے خلاف آواز بلند کی۔ سنت کی پرزور حمایت کی۔ عقائدِ باطلہ کی بے باکانہ تردید اور مشرکانہ اعمال و رسوم کے خلاف علانیہ جہاد کیا۔ مادیت اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگائی۔ جابر سلاطین کے سامنے کلمۂ حق بلند کیا۔ عقلیت پرستی کا طلسم توڑا اور اسلام میں نئی قوت و حرکت اور مسلمانوں میں نیا ایمان اور نئی زندگی پیدا کر دی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت اور بقا منظور ہے اور دنیا کی رہنمائی کا کام اسی دین اور اسی امت سے لینا ہے۔'' (دعوت و عزیمت' جلد اول)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے تجزیوں میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کی اساس پر یہ نتیجہ اخذ کیا: ''قرآن پر ایمان اور صحیح احادیث پر یقین رکھنے والے کسی انسان کو ہرگز شک نہیں ہوسکتا کہ قیامت سے قبل پوری دنیا میں اسلام کا غلبہ بالکل اسی طرح ہو گا جس طرح آنحضور ﷺ کے دورِ مبارک میں ہوا تھا.......... لیکن اس امر میں بھی ہرگز کسی شک کی گنجائش نہیں ہوسکتی کہ وہ معجزہ دوبارہ ہرگز رونما نہیں ہوسکتا کہ یہ مرحلہ کسی ایک ہی داعی کی دعوت اور انقلابی جدوجہد سے طے ہو جائے' اس لئے کہ اس معاملے میں ''امتناعِ نظیر'' یعنی آنحضور ﷺ کا بے مثل اور بے مثال ہونا آپ پر ختمِ نبوت اور تکمیلِ رسالت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے.......... لہٰذا اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے' یعنی یہ کہ نشاۃ ثانیہ کی مہم مرحلہ وار سر ہو اور پے بہ پے اور یکے بعد دیگرے ایسی ''تحریکیں'' اٹھیں جو اس کام کو درجہ بدرجہ بالکل اسی طرح آگے بڑھائیں جس کا نقشہ سورہ انشقاق کی آیت 19 میں سامنے آتا ہے یعنی ''لتر کبن طباقا عن طبق '' (تم لازماً ترقی کرو گے' درجہ بدرجہ یا ایک ایک سیڑھی کر کے'') اور جس کی عام فہم تمثیل اولمپک مشعل سے دی جاسکتی ہے جسے ایک کھلاڑی لے کر دوڑتا ہے اور کچھ فاصلہ طے کر کے دوسرے کو تھما دیتا ہے' جو اسے کچھ دور اور لے جا کر تیسرے کے حوالے کر دیتا ہے' اور اس طرح شمع آگے بڑھتی رہتی ہے۔'' (اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں)

تجدید اور احیائے دین کی تحریکیں

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی دی ہوئی مثال کی روشنی میں تاریخ اسلام کو دیکھیں تو ہر وقت اور ہر کہیں روشنیوں کے کارواں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے نظر آتے ہیں' اور حضرت ابوہریرہؓ سے منسوب یہ حدیثِ رسولؐ جگمگانے لگتی ہے:

''ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مآۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا''

''اللہ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایسے لوگ اٹھاتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو تازہ کریں گے''

حضرت عمر بن عبدالعزیز' امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد حنبل' امام غزالی' امام ابن تیمیہ' پھر یہاں ہمارے برعظیم میں مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ' سید احمد شہید بریلوی اور ان کے رفقاء شیخ الہند اور علامہ اقبال' جزیرہ نمائے عرب میں شیخ محمد عبدالوہاب' لیبیا میں محمد بن علی سنوسی' سینیگال میں حاجی عمر تجانی' مالی میں احمد ولوبو' نائیجریا میں عثمان فودیو' سوڈان میں مہدی' الجزائر میں عبدالقادر' چیچنیا میں امام شامل' انڈونیشیا میں امام بونجول اور حاجی عمر سعید' مصر میں قطب شہید اور افغانستان میں حالیہ معرکۂ حق و باطل۔ گویا ایک مجدد کا چراغ دوسرے مجدد کو' ایک تحریک کی ٹارچ دوسری تحریک کو منتقل ہو رہی ہے' اور جگ مگ کرتا ایسا کشادہ اور وسیع منظر پیدا ہو گیا ہے جو پوری دنیائے اسلام پر چھایا ہوا ہے۔

کہاں سے اور کب سے شروع کریں؟

ایسے حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنی یہ تاریخ کہاں سے اور کب سے شروع کریں؟ اس کا جواب بھی ہمیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی سے ملتا ہے۔ اپنی تصنیف ''استحکام پاکستان'' (صفحہ 154) میں فرماتے ہیں: ''واقعہ یہ ہے کہ حالیہ صدیوں میں جتنے اربابِ ہمت و عزیمت اور شہسواران میدان تجدید و احیاء و اصلاح برصغیر پاک و ہند میں پیدا ہوئے' ان کی مثال پورا اسلام نہ کمیت کے اعتبار سے دے سکتا ہے نہ کیفیت کے اعتبار سے..... کیا الف ثانی کے مجددِ اول شیخ احمد سرہندی کا سرزمینِ ہند سے متعلق ہونا ایک بالکل اتفاقی امر ہے؟ کیا جملہ علومِ اسلامی کے مجددِ اعظم اور تمدنِ انسانی کے دورِ جدید کے فاتح شاہ ولی اللہ کا ہندی نژاد ہونا بھی بالکل اتفاقی امر ہے؟ کیا تحریکِ شہیدین سے وابستہ سینکڑوں مجاہدین کے مقدس خون کا ارضِ پاکستان میں جذب ہونا بالکل بے نتیجہ رہے گا؟...... کیا حکیم الامت علامہ اقبال کا سرزمین لاہور میں طویل قیام اور ابدی استراحت بالکل بے معنی ہے؟..... مشیتِ ایزدی نے اسلام کے عالمی غلبے اور نشاۃ ثانیہ کے نقطۂ آغاز کے طور پر سرزمینِ پاکستان کو منتخب فرما لیا ہے۔''

پس ہماری اس ''تاریخِ تحریک ہائے تجدید و احیا'' کا نقطۂ آغاز بھی سرزمین پاکستان ہی ہے۔ آغازِ کلام اسلام کی دوسری ہزاری یعنی الف ثانی کی پہلی تحریک کے تذکرے سے ہوگا۔ (ملاحظہ فرمایئے آئندہ قسط)

بقیہ : اداریہ

تجربے کی بساط بچھا کر دنیا کا منہ تو بڑی حد تک بند کر دیا ہے لیکن اس سے پاکستان کے عوام اور پاکستان کی مملکت کو مختلف حوالوں سے کیا فائدہ پہنچے گا' یہ ابھی کسی کو معلوم نہیں۔ سب غایتوں کی غایت اولیٰ تو عوام کی بہبود اور قومی وقار اور مقاصد کا تحفظ ہے۔ نیا تجربہ اس کسوٹی پر کس قدر پورا اترے گا' اس کے لئے ابھی انتظار کرنا پڑے گا۔

یہ ایک معروضی تجزیہ ہے۔ اس میں نہ بے جواز قنوطیت ہے اور نہ غیر حقیقی رجائیت۔ ہاں یہ نئے تجربے کے جملہ اکابرین کے لئے ایک دوستانہ انتباہ ضرور ہے کہ وہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع فراہم نہ کریں کہ ''وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے''۔

اطلاع

رفقاء و احباب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد 7 دسمبر 2002ء کو وطن واپس پہنچ گئے ہیں۔

خود بدلتے نہیں' قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

قوم کی قوت برداشت کا ضرورت سے زیادہ امتحان لیا جا چکا

ہمیں اسلام کے بنیادی اور حقیقی تصور کو اپنانے کی ضرورت ہے

پاکستانی فوج کو کمزور کرنا روس' بھارت اور امریکہ کا مشترکہ نصب العین ہے

پاکستان میں نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے حوالے سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے

پاکستان کی سلامتی جذبہ حب الوطنی میں نہیں بلکہ اس جنون میں پوشیدہ ہے جو شوق جہاد و شہادت سے سرشار کرتا ہے

سیاسی مقاصد پورے کرنے کی غرض سے نظام مصطفیٰ کا نعرہ بلند کرنا دین کی بے حرمتی ہے

سیاست ایک ہمہ وقتی اور محترم پیشہ ہے' جسے بہروپیوں کا بازیچہ اطفال نہیں بننے دینا چاہئے

ممکن ہے آخری جنگ دین کی اساس پر مسلم اور غیر مسلم تمدنوں کے درمیان لڑی جائے

پاکستان کا مستقبل ــــ چند مشورے

قدرت اللہ شہاب کی کتاب ''شہاب نامہ'' کا ایک باب' جس میں کی جانے والی پیشین گوئی جو وقت کے ساتھ کافی حد تک پوری ہو چکی ہے' آج بھی اتنی ہی تازہ' قابل عمل اور پہلے سے کہیں زیادہ چشم کشا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے کسی جرنیل اور کسی سیاستدان نے اس سے سبق نہ سیکھا۔ آج جبکہ دانائی و عمل کی شدید ضرورت ہے یاددہانی کرانا ہمارا فرض ہے۔ ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات!!

قدرت اللہ شہاب

وطن عزیز میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو پاکستان کے مستقبل کے بارے میں وقتاً فوقتاً شکوک و شبہات میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں بہت کم عوام اور بہت زیادہ خواص کی تعداد ہوتی ہے۔ خواص میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی ایک جیب میں پاکستانی پاسپورٹ اور دوسری جیب میں امریکن گرین کارڈ یا دیگر ممالک کے اقامت نامے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ ان کے مال و متاع کا بیشتر حصہ بھی بیرونی بینکوں کی تجوریاں گرماتا ہے۔ اور پاکستان میں وہ صرف ایسے کرنٹ اکاؤنٹ کھولنے پر قناعت کرتے ہیں جن پر زکوٰۃ کٹنے کا خطرہ لاحق نہ ہو۔ اس کے علاوہ انکم ٹیکس' ویلتھ ٹیکس اور زکوٰۃ سے بچ بچ کر اور غالباً منشیات کے کاروبار سے ہاتھ رنگ کر بھی کالے دھن کے انبار ایسی مہارت سے جمع کرتے ہیں کہ آخر کار حکومت ہی ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر دھوبی گھاٹ کھول دیتی ہے' جہاں پر سرکاری افسر عجیب و غریب قوانین کا صابن مَل مَل کر کالی پونجی کو سفید کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ دیانت اور امانت کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق ہے۔

بہت سے لوگوں کے نزدیک پاکستان کی سلامتی اور استحکام کا راز فقط اس بات میں مضمر ہے کہ حالات کے اُتار چڑھاؤ میں ان کے ذاتی اور سراسر انفرادی مفاد کا پیمانہ کس شرح سے گھٹتا یا بڑھتا ہے۔ ایسے لوگ قابلِ رحم ہیں۔ وہ بنیادی طور پر نہ تو وطن دشمن ہوتے ہیں اور نہ ہی ان پر غداری کا الزام لگانا چاہئے۔ مریضانہ ذہنیت کے یہ لوگ حرص و ہوس کی آگ میں سلگ سلگ کر اندر ہی اندر بزدلی کی راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ حوادثِ دنیا کا ہلکا سا جھونکا اس راکھ کو اڑا کر تتر بتر کر دیتا ہے۔ ان کا اپنا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ ان کا اصلی وطن محض ان کا اپنا نفس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو سرزمین بھی ان کی خودغرضی' خودپسندی' خودفروشی اور منافقت کو راس آئے وہ وہیں کے ہو رہتے ہیں۔ پاکستان میں اس طرح کے افراد کا ایک طبقہ موجود تو ضرور ہے لیکن خوش قسمتی سے ان کی تعداد محدود ہے۔

اس کے برعکس پاکستانیوں کا سوادِ اعظم حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی حب الوطنی پر بار بار انتہائی کڑی آزمائش کے دَور آتے رہے لیکن اب تک ان کے پائے ثبات میں کسی نمایاں لغزش کے آثار نمودار نہیں ہوئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔ البتہ ہمیں یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہئے کہ بار بار کفرانِ نعمت کا مرتکب ہونے سے اللہ کے عذاب کی گرفت بھی بڑی شدید ہوتی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ قوم کی قوتِ برداشت کا ضرورت سے زیادہ امتحان لیا جا چکا ہے۔ اب اس کے پیمانۂ صبر کو لبریز ہونے سے بچانا ہم سب کا اجتماعی اور انفرادی فرض ہے۔

ایک مختصر سا وقفہ چھوڑ کر اکتوبر 1958ء سے لے کر بڑے طویل عرصہ تک ہماری فوجی اور سول دونوں طرح کی حکومتیں مارشل لاء کی چھتری تلے برضا و رغبت ہنسی خوشی حکمرانی کرتی رہی ہیں۔ اس عمل سے ہماری مسلح افواج پر کیا اچھے یا بُرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ان کا تجزیہ کرنا فوجی ماہرین کا کام ہے۔

البتہ یہاں پر ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرنا دلچسپی سے

خالی نہیں۔ **1969**ء میں جب میں یونیسکو کے ایگزیکٹو بورڈ کا ممبر تھا' تو ایک صاحب سے میرے نہایت اچھے مراسم ہوگئے جو مشرقی یورپ کے باشندے تھے' اور ان کا ملک اپنی مرضی کے خلاف روس کے حلقۂ اقتدار میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے وطن میں بعض کلیدی آسامیوں پر رہ چکے تھے اور روس کی پالیسیوں اور حکمتِ عملی سے بڑی حد تک واقف اور نالاں تھے۔

ایک روز باتوں باتوں میں انہوں نے کہا: ''اگرچہ روس اور امریکہ ایک دوسرے کے حریف ہیں۔ لیکن بعض امور میں اپنے اپنے مفاد کی خاطر دونوں کی پالیسیاں اور منصوبے ایک دوسرے کے ساتھ مطابقت اختیار کر لیتے ہیں۔''

''مثلاً؟'' میں نے پوچھا۔

''مثلاً پاکستان'' وہ بولے۔

میری درخواست پر انہوں نے یہ وضاحت کی کہ ''یہ ڈھکی چھپی بات نہیں کہ پاکستان کی مسلح افواج کا شمار دنیا بھر کی اعلیٰ افواج میں ہوتا ہے۔ یہ حقیقت نہ روس کو پسند ہے اور نہ امریکہ کو۔ روس کی نظر افغانستان کے علاوہ بحیرۂ عرب کی جانب بھی ہے۔ اس کے علاوہ روس کو بھارت کی خوشنودی حاصل رکھنا بھی مرغوب خاطر ہے۔ ان تینوں مقاصد کے راستے میں جو چیز حائل ہے وہ پاکستان کی فوج ہے۔ امریکہ کا مقصد مختلف ہے۔ امریکہ کی اصلی اور بنیادی وفاداری اسرائیل کے ساتھ ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ اگر کسی وقت اسلامی سطح پر جہاد کا فتویٰ جاری ہوگیا تو پاکستان ہی وہ ملک ہے جہاں کی مسلح افواج اور بستی آبادی کسی مزید حکم کا انتظار کئے بغیر جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر ایک دم بسوئے اسرائیل اٹھ کھڑی ہوگی۔ عالمِ اسلام میں اپنی تمام کامیاب ریشہ دوانیوں کے باوجود امریکہ یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ اس کے علاوہ روس کی مانند امریکہ بھی بھارت کی خیر سگالی اور خوشنودی حاصل کرنے اور بڑھانے کا آرزومند ہے۔ پاکستان کی مسلح افواج روس' امریکہ اور بھارت کی آنکھ میں برابر کھٹکتی ہیں۔ اس لئے تمہاری فوج کو نکما اور کمزور کرنا تینوں کا مشترکہ نصب العین ہے''۔

''لیکن وہ اس مشترکہ نصب العین کو پورا کیسے کر سکتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

وہ ہنس کر بولے: ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہر کوئی اپنا اپنا طریق کار وضع کرنے میں آزاد ہے۔ بدی اور شر کو بروئے کار لانے کے لئے ہزاروں راستے کھل جاتے ہیں۔ تیسری دنیا کے چھوٹے ممالک میں ایک طریقہ جو نمایاں کامیابی سے آزمایا جا رہا ہے یہ ہے کہ وہاں کی مسلح افواج کو طویل سے طویل تر عرصہ کے لئے سول حکومت کے اُمور میں اُلجھائے رکھا جائے''۔

یہ گفتگو اس زمانے میں ہوئی جبکہ روس نے ابھی افغانستان پر قبضہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی مشرقی پاکستان میں بنگلہ دیش کی تحریک نے شدت اختیار کی تھی۔ اس کے بعد آج تک (**1988**ء) **17** میں سے **13** برس ہمارا وطن مارشل لاء کے تحت رہا ہے۔ خدا نہ کرے یہ صورت حال روس' امریکہ اور اسرائیل کی دلی خواہش پورا کرنے کے لئے زمین ہموار کرنے کا کام دے۔

سول حکومت کی مشینری کے بارے میں میرا تجربہ اور اندازہ یہ ہے کہ اس کی بہت سی اہم چولیں بتدریج ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے۔ اوپر سے نیچے تک خود حفاظتی کی آڑ میں احساس ذمہ داری سے جان بچا کر ٹال مٹول کرنا عام ہو گیا ہے۔ ہر سطح پر قوتِ فیصلہ کمزور پڑ گئی ہے۔ رشوت کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور اس کا دائرہ عمل بھی افقاً اور عموداً دونوں جانب بہت زیادہ وسیع ہو گیا ہے۔ ان رذائل کا گندہ مواد طرح طرح کے ناسور بن کر معاشرے کے بیشتر شعبوں میں پھوٹ رہا ہے۔

اس کا واحد علاج یہ ہے کہ مارشل لاء خندہ پیشانی سے ہمیشہ کے لئے اپنے غروب آفتاب کا رخصتی بگل بجا کر بیرکوں میں واپس چلا جائے۔ ملک بھر میں بغیر کسی رکاوٹ کے سیاسی عمل از سرِ نو جاری ہو۔ ہر چوتھے یا پانچویں سال ہر سیاسی جماعت کے اپنے اپنے انتخاب لازمی ہوں تاکہ جماعتی سطح پر قیادت کی چھان پھٹک ہوتی رہے اور ان میں تازہ خون بھی باقاعدگی سے شامل ہوتا رہے۔ اس کے ساتھ اگر اگلے پندرہ برس میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے بھی چار پانچ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات ہوتے رہے تو **2000**ء میں ان شاء اللہ ہمارے جمہوری نظام کا بھی ویسا ہی چرچا ہو سکتا ہے' جس طرح کہ آج کل ہماری سکوائش' ہاکی اور کرکٹ کا ڈنکہ چار دانگِ عالم میں بج رہا ہے۔

ورنہ ہمارا بھی وہی حال نہ ہو جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے خبردار کیا تھا۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

ہندوستان تو کسی حد تک سمجھ گیا ہے۔ اس لئے سنبھل بھی گیا ہے اور اس کی داستان ہر جگہ بڑی آب و تاب سے جاری و ساری ہے۔ اب اپنے پاکستان میں ہمارے سمجھنے کی باری ہے۔

قومی سطح پر ہماری سیاسی قیادت کا ایک بڑا حصہ اپنی طبعی یا ہنگامی زندگی گزار کر ہمارے درمیان سے اٹھ چکا ہے' یا جمود کا شکار ہو کر غیر فعال ہو چکا ہے۔ کچھ سیاسی پارٹیوں کے رہنما پیرتسمہ پا کی طرح اپنی اپنی جماعتوں کی گردن پر زبردستی چڑھے بیٹھے ہیں۔ ان میں سے چند ایک نے کھلم کھلا یا درپردہ مارشل لاء کی آکسیجن سے سانس لے کر سسک سسک کر زندگی گزاری ہے۔ ان نیم جان سیاسی ڈھانچوں میں نہ تو کوئی تعمیری سکت باقی ہے اور نہ ہی ان کو عوام کا پورا اعتماد حاصل ہے۔ پرانی سیاست کی بساط الٹ چکی ہے۔ اب جب بھی سیاست کا دور دورہ شروع ہوگا تو اس میں فقط ایسی نئی قیادت ابھرے گی جس کا دامن ماضی کی بہت سی آلائشوں سے پاک ہو۔ خدا کرے یہ دَور جلد آئے اور اسے پوری پوری ایمانداری' خلوص اور نیک نیتی سے فروغ دیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا یا اس سے رکاوٹیں پڑتی رہیں تو پھر کیا ہوگا؟ اس کے تصور ہی سے دل لرز اٹھتا ہے۔ اس کے بارے میں نوشتۂ دیوار جلی حروف میں ہمارے سامنے موجود ہے جسے پڑھنے کے لئے کسی خاص عینک لگانے کی ضرورت نہیں۔

مجھے راز دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
(دانائے راز اقبال)

کچھ عرصہ سے یہ فیشن بھی عام ہو رہا ہے کہ سول اور فوجی اعلیٰ افسر اپنی اپنی ملازمتیں پوری کرنے کے بعد خاصی تعداد میں بعض سیاسی جماعتوں میں نمایاں مقامات حاصل کر رہے ہیں۔ یہ سیاست اور جماعتوں دونوں کی بدقسمتی ہے۔ سرکاری ملازمتوں کا اپنا اپنا الگ چلن اور رنگ ڈھنگ ہوتا ہے۔ اس میں طویل عرصہ گزارنے کے بعد انسان کی سوچ' وضع قطع' اخلاق و آداب' رکھ رکھاؤ' طور طریقہ اور اندازِ زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہ سانچہ ان ضروریات سے بالکل مختلف ہوتا ہے جو ایک کامیاب سیاستدان بننے کے لئے لازمی ہیں۔ ایسے سابق اعلیٰ افسر چلے ہوئے کارتوس ہوتے ہیں ان میں سیاسی بارود بھر کر دوبارہ چلانے کی کوشش کرنا عملاً بیکار' بے حاصل اور بے اثر ہے جو سیاسی جماعتیں ایسی بیساکھیوں کا سہارا لے کر زندہ رہنا چاہتی ہیں' عوام میں ان کی مقبولیت کی رفتار بھی بڑی حد تک لولی لنگڑی رہنے کا امکان ہے اسی طرح جو افسرانِ کرام ساری عمر سرکاری ملازمتوں کی کرسیاں گرمانے کے بعد پنشن خوار بن کر سیاست میں کود پڑتے ہیں تاکہ وہ اقتدار کی ان سیڑھیوں پر چڑھ بیٹھیں جن کے ماتحت وہ عمر بھر کام کرتے رہے ہیں تو سیاست کو داغدار کرنے کے علاوہ وہ خود بھی جنت الحمقا میں رہتے ہیں۔ سیاست ایک ہمہ وقتی اور محترم پیشہ ہے۔ یہ بہروپیوں کا بازیچۂ اطفال نہیں جہاں پر ریٹائرڈ سول اور فوجی افسر اپنے بالوں کو خضاب لگا کر اور پلپلے مسوڑھوں پر نئی بتیسیاں چڑھا کر قوم کو اُلو بنانے میں کامیاب ہو سکیں۔

اسی طرح غیر مخلص اور سخن ساز نعرے بھی سیاست کے وجود کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل چند سیاسی جماعتوں نے مل کر اپنی ایک مخالف جماعت کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ سیاسی اصولوں کے مطابق یہ ایک جائز اور روایتی عمل تھا۔ لیکن جب ان جماعتوں کے گٹھ جوڑ سے ''نظامِ مصطفیٰ'' کا نعرہ بلند ہوا تو اس ایجی ٹیشن کا رنگ بدل گیا۔ ''نظامِ مصطفیٰ'' کا نعرہ لگانے والوں پر بڑی

بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ مقدس نعرہ منہ سے نکالنے سے پیشتر ان سب کو اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی ذاتی طرزِ معاشرت، رہن سہن، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے یہ جائزہ لینا چاہئے تھا کہ ان کا انفرادی کردار "نظامِ مصطفیٰ" کے پیمانے پر کس حد تک پورا اترتا ہے۔ اس خود احتسابی کے بغیر محض ایک سیاسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایسا محترم نعرہ بلند کرنا اس کی بے حرمتی ہے۔ چنانچہ جونہی مخالف حکومت کا تختہ الٹا، اسی وقت تحریک میں شامل جماعتوں کا اتحاد تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ گیا۔ اور "نظامِ مصطفیٰ" کا نعرہ بھی طاقِ نسیاں کی زینت بن گیا۔ "نظامِ مصطفیٰ" کے حوالے سے اس تحریک کو چلانے کے لئے عوام اور خواص نے دل کھول کر چندہ بھی دیا تھا۔ اس فنڈ کی بدنظمی اور بدانتظامی کے بارے میں کافی عرصہ تک اخبارات میں ایسی خبریں آتی رہیں جنہیں پڑھ کر ایک عام مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا تھا۔ کسی سیاسی جماعت کے منشور میں دین کو بنیاد بنانا یا سرِ فہرست رکھنا ایک قابلِ فہم بات ہے۔ لیکن دین کی آڑ لے کر وقتی طور پر سیاسی مقاصد حاصل کرنا دین کی تضحیک اور بے حرمتی ہے۔ ہماری سیاست کے جو عناصر اس منافقت کے مرتکب ہوتے رہیں گے وہ ہمیشہ منہ کی کھائیں گے اور اقتدار کی ہوس ان کے سینوں میں ہمیشہ ناکامی کی راکھ میں دب کر سلگتی رہے گی۔

سیاست کی اساس یا دین ہوتی ہے یا دنیا، یا دونوں کا حسن امتزاج۔ اگر ہم اپنی سیاست میں دین اور دنیا کے اس حسین امتزاج کو کسی حد تک نبھانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ہماری عین خوش نصیبی ہے۔

سیاست کی خود کفالت اس کی پاکیزگی اور توانائی کی کلید ہے۔ جو سیاسی عناصر دوسرے ممالک کی بخشی ہوئی بیساکھیوں کا سہارا لینے پر انحصار کرتے ہیں۔ وہ اپنی قوم کی آزادی اور نمائندگی کی اہلیت نہیں رکھتے بلکہ الٹا غلامی کا بیج بونے کے مجرم ہیں۔ کچھ عرصہ سے یہ رسم بھی چل نکلی ہے کہ کچھ صاحبانِ اقتدار اور سیاسی رہنما ایک نہ ایک سپر پاور سے اپنے حق میں سرٹیفکیٹ حاصل کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔ اگر وفاق میں صوبائی اختیارات نیک نیتی، دیانت داری، خلوص، باہمی افہام و تفہیم اور حقیقت شناسی سے متعین کر کے اس پر سچائی سے عمل درآمد نہ کیا جائے، تو فیڈریشن کا وجود کھوکھلا ہو کر کنفیڈریشن کے نعرے میں ڈھل جاتا ہے۔ سیاست اور نظم و نسق میں اس زہر کا فوری طور پر حسنِ تدبر سے کام لے کر تریاق فراہم نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ کنفیڈریشن کا تصور بھی انتشار کے صحرا میں پھیل کر بادِ سموم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس زہر کا تریاق سیاسی عمل کی آزادی سے ظہور میں آتا ہے۔ فوجی دباؤ کی گھٹن سے نہیں۔

ایٹمی توانائی کا حصول ہر آزاد ملک کا حق ہے۔ اس پر چند مخصوص ممالک کی اجارہ داری ایک نئی شہنشاہیت اور سامراجیت کی بالادستی کے نظام کو جنم دیتی ہے۔ بجلی، ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ہوائی جہاز وغیرہ کی ایجادات فروغِ علم کا نتیجہ ہیں۔ علم نہ دبائے دبتا ہے نہ چھپائے چھپتا ہے۔ ایٹمی توانائی کا علم بھی دوسرے علوم کی طرح رفتہ رفتہ عام ہو رہا ہے۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے حصول اور استعمال کا انحصار وسائل کی دستیابی پر ہے۔ وسائل کی کمیابی سے تاخیر تو ممکن ہے لیکن تدبیر کی کامیابی سے ہمیشہ کے لئے فرار ناممکن ہے۔ پاکستان میں ایٹمی سائنس کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا ہماری ہر حکومت کا فرض ہے۔ اس میں معذرت خواہی سے کام لینا ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ روس، امریکہ، اسرائیل اور بھارت ہمارے ایٹمی مراکز کو تباہ کرنے میں یکساں دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن ہمارا اصلی دفاع یہی ہے کہ ہم نیوکلیئر اسلحہ جات سے پوری طرح لیس ہوں۔ "اسلامی بم" کے طعنوں اور دھمکیوں میں آ کر گھٹنے ٹیک دینا ایک مجرمانہ لغزش ہوگی۔ جو ممالک "اسلامی بم" پر قدغن لگانے میں پیش پیش ہیں ان سے بعید نہیں کہ وہ کسی وقت اسلامی اعمال کو بھی ممنوع قرار دینے کا نادر شاہی حکم صادر فرما دیں۔ ایسے عناصر کو پائے حقارت سے ٹھکرانے میں ہی ہماری خود اعتمادی اور عزتِ نفس کی بقا ہے۔

دنیا بھر میں جنگ کی بنیاد انفرادی یا محدود قبائلی سطح پر زر، زن اور زمین کی حرص میں شروع ہوئی تھی۔ پھر اس نے سامراجیت (Colonialism) کا رنگ چڑھا کر زبردست کی حکمرانی اور زیردست کی غلامی کا وطیرہ اختیار کر لیا۔ اس کا بنیادی مقصد ملک گیری کی ہوس تھا۔ اگلی منزل میں سیاسی نظام، معاشی نظریات اور سماجی اقدار میں اختلافات اور تصادم نے بڑے پیمانے پر عالمگیر جنگوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اب رفتہ رفتہ ہوا کا رُخ مزید بدل رہا ہے۔ حالیہ آثار گواہی دیتے ہیں کہ جلد یا بدیر سب سے بڑی اور ممکن ہے کہ آخری جنگ دین کی اساس پر دو تہذیبوں اور تمدنوں کے درمیان لڑی جائے۔ دنیائے اسلام ایک طرف اور باقی تمام غیر مسلم عناصر باہم مل جل کر دوسری جانب۔ اس امکان کو فراموش کرنے یا اس سے نبرد آزما ہونے کی تیاری میں غفلت سے کام لینے میں عالمِ اسلام کو عموماً اور پاکستان کو خصوصاً سب سے بڑا اور مہلک خطرہ ہے۔

اسرائیل کے خلاف ہماری پالیسی عربوں کی خیر سگالی حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسلام اور فقط اسلام کے ناطے سے ہے۔ یہود اور نصاریٰ کو خوش کرنے کے لئے اس پالیسی میں کسی قسم کی لچک یا کمزوری کو جگہ دینا لاریب اسلام کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔ ایسی حرکت بے برکتی کی آندھیوں کو دعوت دے کر وطنِ عزیز کے وجود کو طرح طرح کے خطرات میں مبتلا کر سکتی ہے۔ یہ محض سیاسی حماقت ہی نہیں بلکہ دینی جرم بھی ہے۔

اسی طرح بھارت کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے (Normalization of Relations) کی آڑ میں ریڈ کلف لائن کو مدغم ہونے سے بچانا ہر صورت میں لازمی ہے۔ "بغل میں چھری اور منہ میں رام رام" والا محاورہ ایک ابدی اور اٹل حقیقت ہے۔ بھارت کے عزائم اور اعلانات میں ان کے ظاہر اور باطن کی تمیز کو چشمِ بصیرت، حسنِ تدبر اور شیوۂ دیوانگی سے پرکھنا ہمارا اوّلین فرض ہے۔ اگر یہ تمیز مصلحتوں یا غفلتوں کی نذر ہو گئی تو بربادی، تباہی اور فنا کا اندھا کنواں منہ پھاڑے سامنے کھدا پڑا ہے۔

پاکستان میں اسلام کے فروغ کا نصب العین فقط ہمارے مفاد ہی میں نہیں، بلکہ افغانستان اور سنٹرل ایشیا کے لئے بھی کام آ سکتا ہے لیکن (Islamization) کے پردے میں (Cosmetic Islam) کا ڈھونگ رچانا منافقت کی دھول اڑانے کے علاوہ کوئی مقصد پورا نہیں کر سکتا۔ ہمیں اسلام کے بنیادی اور حقیقی اصلِ اصول Fundamentalism کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اُمورِ ریاست میں اسلام کے نام پر سب کچھ کار بے بنیاد ہے۔

ہمیں حب الوطنی کا جذبہ نہیں بلکہ جنون درکار ہے۔ جذبہ تو محض ایک حنوط شدہ لاش کی مانند دل کے تابوت میں منجمد رہ سکتا ہے۔ جنون جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت سے خون گرماتا ہے۔ اسی میں پاکستان کی سلامتی اور مستقبل کا راز پوشیدہ ہے۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لایحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں!
مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

(مرسلہ: سید افتخار احمد)

انگریزی ترجمۂ قرآن حاصل کریں

اردو ترجمۂ قرآن ختم ہو گیا ہے اس لئے اب طلب نہ کیا جائے۔ اب قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ تقسیم کرنے کا پروگرام ہے لیکن اس کی تقسیم محدود ہوگی کیونکہ صرف انگریزی خوان طبقہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور وہ کچھ رقم بھی دے سکتا ہے۔

لہٰذا اس کے طالب گریجوایٹ، ڈاکٹر، انجینئر، ایڈیٹر یا کم از کم بی اے کے سٹوڈنٹ 100/ روپے پیشگی ادا کر کے لے سکتے ہیں۔ یہ 622 صفحات کا خوبصورت ترجمہ ہے جسے 80 گرام کاغذ پر شائع کیا گیا ہے۔ ترجمہ آج کی انگریزی میں آسان اور متن کے مطابق ہے۔

کرنل محمد ایوب خان، نمبر 294 گلی نمبر 8، ایکسٹینشن کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ۔ فون: 6650120

اقبال تیرے خوشہ چینوں کے نام!

تلاشِ حق کا مسافر

محمد وقاص اطہر

آدم کو زمین پر اتارا گیا۔ ابنِ آدم کو تجسس عطا ہوا۔ حقیقت جان لینے کی خواہش ملی۔ ایک مسافر کو سوچ اور عقل دی گئی۔ اس نے حق کی تلاش کے لئے سفر کی ابتدا کی۔ تلاشِ حق کے لئے قافلہ روانہ ہونے کو ہوا تو اس نے ندا دی کہ جو چاہے آئے کہ ہم تو حقیقت کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ اس نے بانگ درا دی کہ قافلہ منزل کی طرف نکل رہا ہے' کوئی راہرو سوتا نہ رہ جائے۔ جستجو ہے کہ زندگی کا مقصد معلوم ہو۔ اس نے سوچا' بہت سوچا۔ جب وہ عقل اور فلسفے کی انتہا کو پہنچا تو اس پہ کھلا کہ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں' اور علم کی انتہا ہے بے تابی۔ اس کے ذریعے اپنا سراغ ہاتھ نہیں آتا۔ اب تلاش کا اگلا مرحلہ شروع ہوتا ہے کہ ڈھونڈا جائے اس چیز کو جو عقل و علم و خرد کے علاوہ ہو۔ ہر سمت تلاش کرتا ہے' یہاں تک کہ خضر کو جا پکارتا ہے کہ اے خضر! اے وہ کہ علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش! یہ تو بتا کہ زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟ جواب پاتا ہے۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے' منزل نہیں ہے!

یہاں یہ راز کھلتا ہے کہ انسان کو دیئے گئے علم کے سوا کچھ اور بھی ضروری ہے حقیقت کو پانے کے لئے' اور یہ "کچھ اور" الرشد (راہ راست دکھانے والا) کی مدد سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ جدوجہد کرنے والے کو راستہ دکھانے کا وعدہ ہے اس کی طرف سے کہ جس کے تمام وعدے سچے ہیں۔ لہٰذا مسافر کی کوشش رنگ لاتی ہے' افلاک سے نالوں کا جواب آتا ہے' حجاب اٹھتے ہیں اور اسرار کھلتے ہیں۔ اس غیبی مدد یا الہام کو' کہ انتہا جس کی نبی پر اترنے والی وحی ہے' جبریل کا بال قرار دیا۔ نبی پر جبرائیل" خود پیام لے کر آئیں تو وحی اور اقبال کو راہ دکھانے والا راہ دکھائے تو بالِ جبریل۔ جب عشق سے آگہی ہوئی تو سوال اٹھا علم و عقل کیا ہے اور عشق و دل کیا ہے؟ دونوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ دل ہو غلامِ خرد یا کہ امامِ خرد؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈا تو اک داستاں پائی۔

عقل میں خلوص نہ ہو تو موجودات تک محدود رہے اور حجاب دلیل رہے۔ عقل میں خلوص ہو تو قرآن کی نشانیاں اسی کے لئے ہیں۔ عقل راستے کی ابتدا تو ہے اور بے شک ناگزیر بھی ہے کہ یہ نہ ہوتی تو حقیقت کی تلاش کا سوال ہی آدم کے ذہن میں نہ اٹھتا' لیکن...... نہ یہ منزل ہے اور نہ منزل تک پہنچا سکتی ہے' کہ آستاں سے دور نہ ہونے کے باوجود اس کی تقدیر میں حضور نہیں' کیونکہ...... عقل محدود ہے' لامحدود نہیں۔ علم جو ابنِ آدم کو عطا ہوا محدود ہے' منزل تک پہنچانا اس علم کے بس کی بات نہیں۔ لامحدود علم تو اسی ذات کے پاس ہے جو ہر چیز کی خالق ہے۔ پس جس نے **افلا تعقلون' افلا تدبرون** (تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ تم غور کیوں نہیں کرتے؟) کے جواب میں سوچنا شروع کر دیا' تو اس کو حق تک پہنچنے کا راستہ دکھا دیا گیا۔ اور یہ راستہ کیا ہے؟ یہ راستہ ایمان ہے۔ اور یہ ایمان ہی عشق ہے۔ یہ عشق وہ تصوف نہیں کہ فسانہ ہائے کرامات اور نہ ہی یہ عشق عام مفہوم میں دیوانہ یا بیگانہ کرتا ہے۔ یہ عشق تو وہ عشق ہے جو مولے کو شاہباز سے لڑاتا ہے' جو تین سو تیرہ کو ہزار سے معرکہ آزما کراتا ہے۔ یہ عشق درحقیقت ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ جس لمحے عقل یہ جان اور مان لے کہ وہ محدود ہے' وہ پکار اٹھتی ہے' **ربنا آمنا** (اے رب! ہم ایمان لائے) اور یہی اقرار بالسان' یہی **ربنا آمنا** ہے عقل کی معراج' عقل کی منزل۔ جو عقل کی منزل ہے' وہ ابتدا ہے عشق کی' ایمان کی۔ اور عشق کی پختگی ہے **سمعنا و اطعنا** (ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی) کہ مثال جس کی وہ شخص ہے جو مالکِ کائنات کے حکم کے آگے سراپا اطاعت ہو' مصلحت اندیش نہ ہو۔ بے شک یہی **سمعنا و اطعنا** ہے جواب اس سوال کا کہ دل ہو غلامِ خرد یا کہ امامِ خرد؟ اسی **سمعنا و اطعنا** کا ترجمہ مسافر کی نوکِ زباں پر آیا تو کچھ یوں تھا۔

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول!

عشق یا تصدیق بالقلب کے انسانی خاک میں شامل ہو جانے سے مردِ مومن وجود پاتا ہے اور اس حقیقت' اس احساس کے پا لینے کو تلاشِ حق کا مسافر خودشناسی یا خودی کے نام سے پکارتا ہے۔ یہی وہ مردِ مومن ہے کہ جس کے جہاں کی حد نہیں ہے' یہی وہ ہے جس کو فرشتے کہتے ہیں کہ دلآویز ہے مومن۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کشا کارساز
خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی' اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب' اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو' گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق' مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ' عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

خودی کی انتہا پر کون پہنچا۔ سب سے بڑھ کر مومن کون ہے؟ وہی جو افضل البشر ﷺ ہے' خاتم النبیین' حاملِ "خلق عظیم"' صاحب صدق و یقیں۔ نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول' وہی آخر۔ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں! ہاں اسی کی نگاہ تھی کہ جس کے متعلق کہا گیا' ہم تمہاری نگاہوں کا بار بار آسمان کی جانب اٹھنا دیکھ رہے ہیں' پس ہم پھیرے دیتے ہیں قبلہ کا رخ مسجد اقصیٰ سے مسجد الحرام کی جانب۔ اور کیوں نہ وہ خودی کی معراج کو پہنچے کہ وہ وہی ہے جس کو جبریل کا بال یا پر نہیں' جبرائیل" خود دکھائی دیا۔ اس ﷺ نے جبرائیل کو پہلے افق کے پاس دیکھا۔ پھر وہ قریب آ گیا اور قریب۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا' یا اس سے بھی کچھ کم۔

جب خود کو پہچان لیا تو اگلا مرحلہ شروع ہوتا ہے جس میں اعلان جنگ ہوتا ہے دورِ حاضر کے خلاف' ضرب لگائی جاتی ہے اپنے دور کی ہر اس شے کے خلاف جو خودشناسی کی دشمن ہے' تاکہ تخلیق کی گئی زمین پر خالق ہی کا حکم چلے' ضرب لگائی جاتی ہے وقت کے فرعون کے خلاف چاہے یہ فرعون مدرسہ ہو' منبر ہو' پیرِ طریقت ہو' جمہوریت ہو یا خودساختہ عقلیت۔ بے شک خودی عشق سے محکم ہو تو ہر ضرب' ضربِ کلیم ہو جائے کہ دریا پر مارو تو پانی پھٹ کر پہاڑوں کی طرح اِدھر اُدھر ہو جائے اور پتھر پر لگے تو تازہ پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑیں۔

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

یہی ہے اقبال کا فلسفۂ خودی یا فلسفۂ حیات' یہی وہ دین ہے جو نہیں ہے مذہب ملا و جمادات و بحث و جدال' یہی

(باقی صفحہ 13 پر)

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ

مختصر حالات اور فضائل و مناقب

(آخری قسط)

حضرت علیؓ کو علم و ادب اور تحقیق و جستجو کے ساتھ خوب شغف تھا۔ حضور ﷺ نے آپ کو "علم کا شہر" قرار دیا تھا۔ آپؓ کو وحی کی کتابت کا بھی شرف حاصل تھا۔ اسلامی علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی۔ آپؓ قرآن کے حافظ تھے۔ آپؓ کو قرآن پاک کی نزولی ترتیب کا خاصہ علم تھا اور آپ اکثر آیات کے پس منظر سے آگاہ تھے۔ البتہ اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی مخفی علم بھی سیکھ رکھا تھا جو سینہ بسینہ آگے چل رہا ہے۔ آپؓ نے قرآن کا فہم حاصل کیا۔ کچھ احادیث بھی آپؓ سے مروی ہیں۔ خلفائے ثلاثہ کی مانند آپؓ بھی روایت حدیث میں بہت محتاط تھے۔ باوجود اس کے کہ آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیس سال گزارے صحیحین میں آپؓ کی روایت کردہ احادیث صرف 39 ہیں۔

فقہ و اجتہاد میں بھی آپ کا خاص مقام تھا۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کے معاملہ میں تہ تک پہنچ جاتے اور صحیح فیصلہ کرتے۔ آپؓ کے اس فہم و ادراک' ذہانت اور فطانت کی وجہ سے جلیل القدر صحابہؓ مشکل مسائل میں آپؓ کی طرف رجوع کرتے۔

آپؓ کی سیرت میں ایک عجیب و غریب واقعہ ملتا ہے۔ وہ اس طرح کہ دو آدمی تھے۔ ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ۔ دونوں مل کر کھانے بیٹھے تو ایک تیسرا آدمی بھی اُن کے کھانے میں شریک ہوگیا۔ جب تینوں کھانا کھا چکے تو اُس شخص نے اُن دونوں کو آٹھ درہم ادا کر دیئے۔ پانچ روٹیوں والے نے پانچ درہم خود رکھ لئے اور تین درہم تین روٹیوں والے کو دے دیئے۔ مگر وہ اُس پر راضی نہ ہوا بلکہ نصف رقم کا مطالبہ کیا۔ یہ معاملہ حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا۔ آپؓ نے غور وخوض کے بعد تین روٹیوں والے کو کہا کہ تمہارا ساتھی جو تمہیں دے رہا ہے لے لو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ مگر وہ نہ مانا اور کہنے لگا کہ میں تو حق کا فیصلہ قبول کروں گا۔ اس پر آپؓ نے کہا کہ پھر صحیح فیصلہ تو یہ ہے کہ تم ایک درہم لو اور تمہارا ساتھی سات درہم۔ اس فیصلے پر جب وہ حیرت زدہ ہوا تو آپؓ نے کہا سنو! تم دونوں کی روٹیاں آٹھ تھیں۔ ہر روٹی کے تین ٹکڑے کئے تو کل 24 ٹکڑے ہوئے جو تم تینوں نے مل کر کھائے۔ گویا ہر ایک نے 8 ٹکڑے کھائے تمہاری 3 روٹیوں کے 9 ٹکڑے ہوئے جن میں سے 8 تو تم نے خود کھالئے اور ایک تیرے ساتھی نے کھایا۔ اسی طرح پانچ روٹیوں کے 15 ٹکڑے ہوئے جن میں سے 8 تو تمہارے ساتھی نے خود کھائے اور 7 اجنبی مسافر نے کھائے۔ یوں اجنبی نے ایک ٹکڑا تمہارا اور سات ٹکڑے تمہارے دوست کے کھائے۔ اور 8 درہم ادا کر دیئے پس ایک درہم تمہارے حصہ میں آیا اور سات درہم تمہارے ساتھی کے حصے میں آئے۔

حضرت علیؓ کو تقریر و خطابت میں بھی خداداد ملکہ حاصل تھا۔ وہ مشکل سے مشکل معاملے کو تفہیم کے لئے

محمد یونس جنجوعہ

آسان انداز اور موثر انداز میں بیان کر سکتے تھے۔ عسکری کاروائیوں میں آپ کے پُر جوش اور موثر خطاب سپاہ کے اندر جانثاری اور فداکاری کا جذبہ پیدا کر دیتے تھے۔ نہج البلاغۃ میں آپ کے چند خطبات دیئے ہوئے ہیں مگر ان کی صحت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

آپ حد درجہ امانت دار اور حقوق العباد کے معاملہ میں انتہائی محتاط رویہ رکھتے تھے۔ بیت المال کی پائی پائی کا حساب رکھتے اور اُسے کل مسلمانوں کی امانت تصور کرتے۔ رسول اللہ ﷺ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے تو لوگوں کی امانتیں آپ کے سپرد کر گئے جنہیں آپؓ نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ مالکوں تک پہنچایا۔

آپؓ ایسی سادہ زندگی گزارتے تھے کہ آج اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہفتوں آپؓ کے گھر چولہا نہ جلتا تھا۔ گھر کے سارے کام کاج چکی پیسنا پانی بھرنا حضرت فاطمہؓ خود انجام دیتی تھیں۔ جب ایک دفعہ میاں بیوی نے مشورہ کر کے ایک غلام مانگا تو آپؐ نے ہر نماز کے بعد 33 مرتبہ سبحان اللہ' 33 مرتبہ الحمد للہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کو کہا اور فرمایا یہ غلام سے بہتر ہے۔ اسی طرح گھر میں استعمال کی چیزیں نہایت مختصر تھیں۔ جو سامان شادی کے وقت گھر میں آیا اُس پر کچھ اضافہ نہ کر سکے۔ انتہائی عسرت کی زندگی بسر کی اور مضبوط روح لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس عسرت میں بھی مشہور ہے کہ آپؓ کے دروازے سے کبھی کوئی سائل نامراد نہیں لوٹا۔

آپ ﷺ کے دوسرے اصحاب کی مانند حضرت علیؓ بھی عبادت گزار اور ذکر الٰہی کے ساتھ شغف رکھنے والے تھے۔ تلاوتِ قرآن کے ساتھ گہری وابستگی تھی۔ نماز میں اس طرح مشغول ہوتے گویا تن بدن کا کچھ پتہ نہیں۔

آنحضرت ﷺ کے طرزِ زندگی سے آپؓ کو پیار تھا۔ وہی سادگی آپ کے ہاں بھی موجود تھی۔ محنت مزدوری سے آپؓ کو عار نہ تھی۔ آپؓ نے اونٹ چرائے۔ کسی کی کھیتی کو پانی دیا۔ اپنے جوتے مرمت کر لیتے اور کپڑے کو پیوند لگا لیتے۔ کسی طرح کے رکھ رکھاؤ کے قائل نہ تھے۔ موٹا جھوٹا پہنتے اور جو میسر ہوتا کھا لیتے۔ ایک دفعہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے کہ جسم مبارک خاک سے چھو رہا تھا۔ حضور ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا "قم یا ابا تراب"۔ "اے مٹی کے باپ! اٹھ" آپؓ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ اس کنیت پر خوش ہوئے۔

آپؓ کی شجاعت' بہادری اور جراءت تو ضرب المثل ہے۔ غزوہ بدر ہو یا احد' خندق ہو یا خیبر آپؓ کی بہادری کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ بڑے بڑے سردارانِ کفر و شرک کو آپ نے ذوالفقار سے موت کے گھاٹ اتارا۔ بایں ہمہ جب کفر پر غلبہ پا لیتے تو اُن کے ساتھ مثالی حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے۔ الغرض آپؓ اعلیٰ درجہ کے فضائل اخلاق سے متصف تھے۔

حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں آپؓ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ البتہ اُن کی وفات کے بعد آپؓ نے متعدد شادیاں کیں اور اُن سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت حسن اور حسین سمیت آپ کے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں تھیں۔ جن میں محمد بن حنفیہ' زینب' عثمان' ابوبکر اور عمر کے نام معروف ہیں۔

40ھ رمضان المبارک کی ایک صبح نماز کے دوران شقی القلب ابن ملجم نے تلوار سے آپؓ پر حملہ کیا جس سے سر پر کاری زخم لگا۔ اس کے چند گھنٹے بعد آپؓ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت حسنؓ نے خود تجہیز و تکفین کی اور نماز جنازہ پڑھائی۔

مسلم امہ: خبروں کے آئینے میں

وحدت ومحبت کا عالمی مظاہرہ

مسلمانوں کا ایک بڑا بین الاقوامی اسلامی تہوار ''عیدالفطر'' ہے جو اس سال پاکستان میں یکم شوال 6 دسمبر بروز جمعتہ المبارک منائی گئی۔ جبکہ سعودی عرب' کویت' لبنان' عراق' مصر اور مشرق وسطیٰ کے دوسرے ملکوں کے ساتھ ساتھ مشرق بعید میں انڈونیشیا کے کروڑوں مسلمان ایک دن پہلے نمازِ عید ادا کر چکے تھے۔ اس دفعہ نمازِ عید کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ سوا ارب کے لگ بھگ مسلمانانِ عالم نے یکجا ہو کر انتہائی خضوع وخشوع سے جو خصوصی دعا مانگی اُس کا پہلا لفظ وحدت دوسرا لفظ باہمی محبت تھا۔ ہر مسلمان کے لب پر ''فانصرنا علی القوم الکافرین'' کا دعائیہ نعرہ تھا۔ فلسطین' کشمیر' چیچنیا' بوسنیا' عراق' بھارت' افغانستان کے علاوہ جہاں جہاں بھی مسلمانوں کے خلاف مغربی استعمار خصوصاً امریکا کی ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں اور مسلمانوں پر ہر طرح کے نفسیاتی' اقتصادی اور عسکری مظالم ڈھائے جا رہے ہیں' اُن کے سدباب کے لئے رب ذوالجلال کے حضور دعاؤں' آنسوؤں اور ہچکیوں کے ساتھ ساتھ خطبوں میں اپنی اپنی حکومتوں پر زور دیا گیا کہ وہ خوشامد اور کاسہ لیسی کی حکمت عملی ترک کر کے آزادی اور خود مختاری کے جذبے کے ساتھ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح قائم ہو جائیں۔

نفرت وحقارت کا عالمی مظاہرہ

6 دسمبر کو جب اسلامیانِ عالم عید منا رہے تھے دنیا کے ہر زبان کے اخبارات میں امریکی ادارے ''گلوبل اٹیچوڈ'' کا ایک سروے شائع ہوا جس میں اعتراف کیا گیا کہ دنیا بھر میں امریکا کے خلاف نفرت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس جائزے کی خاطر 44 ملکوں کے 38 ہزار سے زائد تعلیم یافتہ لوگوں سے امریکا کے بارے میں اُن کی رائے پوچھی گئی تھی۔ اس جائزے کے مطابق دو سال پہلے کی نسبت 2002ء کے دوران امریکا کے خلاف نفرت و حقارت میں خاصا اضافہ ہوا۔ ترکی جیسے ''سیکولر'' اسلامی ملک میں جہاں دو سال قبل 30 فی صد لوگ امریکی پالیسی کے حامی تھے۔ اب وہاں یہ تعداد کم ہو کر 22 فیصد رہ گئی ہے۔ جبکہ پاکستان میں امریکا کے حامیوں کی تعداد 13 فیصد سے کم ہو کر 10 فیصد رہ گئی ہے۔ مصر میں 69 فیصد اور اردن میں 75 فیصد ہے۔ اس جائزے کے مطابق امریکا کو اس وقت جس سنگین ترین مسئلے کا سامنا ہے' وہ عالم اسلام میں اس کے خلاف انتہائی تیزی سے بڑھتی ہوئی نفرت ہے۔ مشرق وسطیٰ اور یورپی ممالک میں خصوصاً عوام یہ محسوس کرتے ہیں کہ عالمی پالیسی بناتے وقت امریکا صرف اپنے مفاد کا خیال رکھتا ہے اور اِن ملکوں کے مفادات پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ برطانیہ' اٹلی اور کینیڈا میں 70 فی صد جبکہ فرانس اور جرمنی میں 60 فیصد رائے دہندگان نے امریکا کے بارے میں کسی قدر اچھی رائے کا اظہار کیا ہے' تاہم اِن ملکوں میں بھی امریکا کے حامیوں کی تعداد میں کمی ہوئی ہے۔ جائزے کے مطابق امریکی فلمی گیت اور نغمے اور ٹی وی پروگرام اب بھی دُنیا بھر میں پسند کیے جاتے ہیں' تاہم امریکا کے پاپ کلچر کے بارے میں 79 فیصد پاکستانیوں اور 67 فی صد اردنی عوام نے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ جائزہ مرتب کرتے وقت اس ادارے کی سربراہ (سابق امریکی وزیر خارجہ) میڈلین البرائیٹ نے اس بات پر خاص زور دیا کہ ان ملکوں سے آنے والی آوازوں کو توجہ سے سننا چاہئے اور اس بات کا کھوج لگانا چاہئے کہ ایسا کیوں ہے؟ اُنہوں نے کہا ہے کہ یہ بات خود امریکا کے مفاد میں ہے کہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ دوسرے اُس کے بارے میں کیا سوچتے اور محسوس کرتے ہیں۔ واشنگٹن میں بی بی سی کے نامہ نگار نے اس جائزے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس جائزے کی بدولت وہ ''ٹھوس شہادتیں'' سامنے آئی ہیں جن کے بارے میں یورپی دنیا میں بہت سے لوگوں کو شبہات تھے' وہ یہ کہ بیرونی دنیا میں امریکا روز بروز غیر مقبول ہو رہا ہے۔ یہ رُجحان مسلم ممالک میں بہت زور پکڑ رہا ہے اور جن ممالک میں امریکا کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات بہت زیادہ ہیں' اُن میں مصر اور پاکستان بہت زیادہ ہیں۔

عالمِ اسلام کے خلاف نیا محاصرہ

امریکا' روس' بھارت اور اسرائیل اپنے اپنے مقام سے اپنے اپنے انداز سے پاکستان اور اسلام کے خلاف سازشوں کا جو جال خفیہ طور پر عرصے سے بچھاتے چلے آ رہے تھے' وہ دسمبر کے پہلے ہفتے میں بالکل ظاہر ہو گیا جبکہ امریکی صدر جارج بُش نے ماسکو جا کر رُوسی صدر پیوٹن کو اپنے شیشے میں اتارتے ہوئے برملا کہا کہ روس عراق کی حمایت سے دست کش ہو جائے اور اس سلسلے میں عراق سے اُس کے جو مفادات وابستہ ہیں' اُن کا ازالہ امریکا کرے گا۔ جارج بُش کی شہ پر صدر پیوٹن نے کہا کہ عراق کی طرح پاکستان میں بھی ایٹمی اسلحے اور اثاثے کی بہتات ہے' اسے ضائع کرنے کی ضرورت ہے۔ امریکا نے دو روز پہلے پاکستان کو متنبہ کیا تھا کہ وہ شمالی کوریا کو ایٹمی راز فراہم نہ کرے' ورنہ وہ اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔ 2 دسمبر کو صدر پیوٹن بھارت گئے۔ وہاں دونوں ملکوں کے درمیان دفاع سمیت 8 معاہدے طے پانے کے بعد ایک مشترکہ بیان میں پاکستان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی مدد بند کرے' تنازعات حل کرنے اور مذاکرات کی بحالی کے لئے دہشت گردی ختم کی جائے۔ مشترکہ مطالبے میں کہا گیا ہے کہ بھارت اور رُوس دونوں کو مجاہدین کا سامنا ہے۔ اس دورے کے نتیجے میں روس بھارت کو ایک ارب ڈالر کا جنگی ساز وسامان فراہم کرے گا۔ روسی صدر دورہ بھارت شروع کرنے سے پہلے اپنے بیانات میں پاکستان کے ایٹمی پروگرام' مقبوضہ کشمیر میں مبینہ دہشت گردی اور عراق کے ساتھ ساتھ پاکستان اور سعودی عرب کو بھی نشانہ بنانے کے لئے صدر بُش کو مشورے دے چکے ہیں۔ یہ رویہ صاف طور پر عالم اسلام اور پاکستان کے خلاف گھناؤنی سازش کا حصہ نظر آتا ہے۔ پاکستان کے وزیراعظم میر ظفر اللہ جمالی نے روسی صدر کے بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے دُرست کہا ہے کہ روس کے صدر پیوٹن افغانستان والی مار کو نہیں بھولے اس لئے ہمیں ان کی فکر نہیں' ہمارا ایٹمی پروگرام محفوظ ہاتھوں میں ہے۔

ضرورت رشتہ

35 سالہ ایم اے (اسلامیات) بی ایڈ قاریہ محکمہ تعلیم میں ملازم خاتون کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: صدیقی لاہور فون: 6827507

موبائل: 0300-5741479

بقیہ: پیامِ اقبال

وہ جنوں ہے کہ صاحب ادراک بھی ہے۔ ہاں تلاشِ حق کی ابتدا بانگِ درا سے ہوئی' عرفانِ حق کی منازل بالِ جبریل میں بیان کیں اور عملِ حق کے لئے ضربِ کلیم پیدا کی۔ پوچھا اے تلاشِ حق کے مسافر! بتا تو نے یہ سب کہاں سے پایا؟ بولا' تو کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں! پوچھا' کیا مطلب؟ بولا کہ قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں' بے شک

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

رمضان المبارک کے بعد شیطان کے لئے خوشی و اطمینان اور غم و پریشانی کے چند پہلو

محمد راشد

بخاری و مسلم میں مندرج روایات کے مطابق اس سال بھی جیسے ہی رمضان المبارک کا آغاز ہوا تو شیطان کو قید میں جکڑ دیا گیا۔ ماہ مبارک کے اختتام پر جب شیطان کو آزاد کیا گیا تو اس نے فوراً دنیا کا چکر لگایا اور مسلمانوں کا جائزہ لیا۔ ایک قلیل تعداد ایسے مسلمانوں کی تھی جنہوں نے رمضان المبارک میں بھی ان بری عادتوں اور قباحتوں کو نہیں چھوڑا تھا جن میں وہ ماہ مبارک سے قبل مبتلا تھے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ روزے نہیں رکھے تھے بلکہ روزہ رکھنے والوں اور دیگر شعائر اسلام کا مذاق بھی اڑایا تھا۔ یہ بات شیطان کے لئے انتہائی خوشی و انبساط کا باعث بنی تھی۔ اس نے سینہ پھلا کر سوچا تھا کہ یہ نام کے مسلمان ان افراد میں شامل ہوں گے جن کے بارے میں میں نے اللہ (تعالیٰ) کے سامنے دعویٰ کیا تھا کہ "(انسانوں) کی اکثریت ناشکر گزار رہوگی" (ترجمانی آیت نمبر 17 سورہ الاعراف)

دیگر مسلمانوں میں سے اکثریت کی حالت ایمان و احتساب کے حوالے سے مزید پستی میں گر گئی تھی۔ اکثریت نے روزے اس طرح رکھے تھے کہ صبح صادق سے مغرب تک ان کے حصے میں صرف بھوک اور پیاس ہی آئی تھی روزہ نہیں۔ انہوں نے بظاہر روزہ تو رکھ لیا تھا لیکن وقت گزارنے کے لئے موجودہ دور کے ایک بہت بڑے فتنے ٹی وی سے حظ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ فحش ڈانس اور بے ہودہ فلموں سے ماہ مبارک میں بھی مکمل اجتناب نہیں کیا تھا۔ گویا کہ وہ ایمان و احتساب سے روزے رکھنے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ یہ امر شیطان کے لئے خوشی و اطمینان کا باعث بنا تھا۔

البتہ کچھ مسلمانوں نے روزے ایمان اور احتساب سے رکھے تھے۔ انہوں نے دن کو روزے کے دوران بھوک پیاس برداشت کرنے کے ساتھ اپنے اعضاء و جوارح کو حتی الامکان اللہ رب العزت کی معصیت سے بچانے کی کوشش بھی کی تھی اور رات کا کچھ یا بیشتر حصہ قرآن حکیم کے ساتھ جاگ کر گزارا تھا۔ ان کے علم میں ہو یا نہ ہو ان کی روح کو ترفع حاصل ہوا تھا۔ یہ بات شیطان کے لئے غم و حزن کا باعث بنی تھی۔ اس نے تدابیر سوچنا شروع کر دیں کہ کیسے انہیں پستی و ذلت میں دھکیلا جائے۔

قلیل تعداد میں مسلمانوں نے ماہ رمضان کی مبارک ساعتوں سے بھرپور استفادہ کیا تھا اور ان میں سے بھی اقل قلیل نے دن روزے کے ساتھ اور رات قرآن حکیم کے ساتھ گزار کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ان کا مقصدِ حیات اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پوری دنیا کو قرآن کے احکامات کا مطیع بنانا ہوگا۔ موجودہ نظام کو توڑ پھوڑ کر مسمار کر کے ایک بالکل نئی وضع کی رفیع الشان عمارت بنانا ہوگی۔ دنیا کے انداز شب و روز کو بدلنا ہوگا۔ شیطان نے سوچا کہ یہی اقل قلیل اس کے لئے اصل خطرہ ہے۔ اس نے انتہائی محنت و جانفشانی اور پلاننگ سے شرک، ظلم اور ناانصافی پر مبنی جو عمارت تعمیر کی ہے اور نظر کو خیرہ کر دینے والے جھوٹے نگوں اور عریانی و بے حیائی سے اسے سجایا ہے۔ یہ چند سر پھرے اسے مسمار کرنے کے درپے ہیں۔ اپنے چیلوں کو بقایا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا کام سونپ کر وہ خود اس گروہ کو گمراہ کرنے کے لئے سرگرم ہو گیا تاکہ خطرے کو سر اٹھانے سے قبل ہی کچل دیا جائے۔

اس نے ہزاروں سالوں کے تجربات کی روشنی میں اپنے ہتھیاروں کو سجانا شروع کیا۔ جن میں اس کا سب سے کارگر ہتھیار پوری جماعت کو عجلت پسندی میں مبتلا کر کے بظاہر Short Cut نظر آنے والے راستے پر گامزن کر دینا ہے۔ جبکہ انفرادی سطح پر نظروں کو اصل مقصد اور نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول اور اقامت دین کی جدوجہد سے ہٹا کر ادھر ادھر بھٹکا دینا ہے۔ جب نظر اصل نصب العین سے بھٹک جائے تو پھر دوسرے غیر اہم عنوانات اہمیت اختیار کر جاتے ہیں اور اصل نصب العین ان کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے' گہنا یا جاتا ہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کرنے والی جماعت کے ساتھیوں کو اپنا احتساب کرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کسی شیطانی چال کا شکار ہو گئے ہوں اور اس ضمن میں اللہ رب العزت سے پناہ طلب کرتے رہنا چاہئے اور یہ دعا کرتے رہنا چاہئے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ○ (آل عمران: آیت نمبر 8) آمین!

تن بہ تقدیر

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
'تن بہ تقدیر' ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو 'نا خوب' بتدریج وہی 'خوب' ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

دعوت فکر

جمہوریت..........خوش آمدید

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں کہ "اگر اسلام پاکستان کا باپ ہے تو جمہوریت پاکستان کی ماں ہے۔ پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لئے اسلام اور جمہوریت دونوں ہی لازمی ہیں۔ پاکستان کے چاروں صوبوں میں اگر کوئی چیز مشترک ہے تو وہ اسلام ہے۔ اس کے علاوہ ان صوبوں کی نہ قومیت ایک ہے اور نہ زبان۔ اسلام کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پاکستانی عوام کو متحد رکھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں آج تک کوئی بھی تحریک اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی جب تک اسلام کا نام نہیں لیا گیا۔ نظام مصطفیٰ تحریک، اینٹی قادیانی تحریک اور حالیہ انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کی کامیابی اس کی واضح مثالیں ہیں"۔

جمہوریت کے بارے میں تنظیم اسلامی کا موقف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ لنگڑی لولی جمہوریت بھی مارشل لاء سے بہتر ہے۔ تاہم پاکستان کی پچپن سالہ تاریخ میں جمہوریت کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ جمہوری دور کو تھوڑا ہی عرصہ گزرتا ہے کہ کوئی فرد واحد آ کر آئین کو معطل کر کے اپنی مرضی کے قوانین نافذ کر دیتا ہے۔ جمہوریت کو اس ملک میں کبھی پنپنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اسی لئے میں اس لولی لنگڑی جمہوریت کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ خوش آمدید! خوش آمدید! لیکن اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت مستحضر رہنی چاہئے کہ اسلام کا نفاذ جمہوریت کے راستے سے نہیں ہو سکتا۔ اس طرح چند بہتر ہاتھ تو میسر آ سکتے ہیں لیکن حقیقی اسلام نہیں آ سکتا۔ اس انقلاب کے لئے نبوی طریقہ ہی اختیار کرنا ہوگا! (پروفیسر اشرف ندیم 'لالہ موسیٰ')

''مثالی اسلامی ریاست کے خدوخال''

نئی کتاب کا تعارف

36 سالہ فرقان دانش نے 1986ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کرنے کے بعد ایوانِ صدر میں ملازمت اختیار کر لی اور یکے بعد دیگرے پانچ صدورِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق' غلام اسحاق خان' وسیم سجاد' فاروق احمد خان لغاری اور محمد رفیق تارڑ کے صدارتی طنطنے مشاہدہ کرتے ہوئے بالآخر ''ندائے خلافت'' کے شعبۂ ادارت سے منسلک ہو گئے۔ گویا پہنچے وہیں جہاں کی خاک اُن کا خمیر تھا۔ اُن کی قلبی و جذباتی زندگی میں بہار آ گئی۔ وہ ''ندائے خلافت'' کے نائب مدیر ہونے کے ساتھ ساتھ تنظیم اسلامی کے نائب ناظم نشر و اشاعت بھی ہیں۔ ''تنظیم'' کے نصب العین (اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق) کی کشش نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا تھا' جو بہت جلد اُن کی اپنی زندگی کا بھی مشن بن گیا۔ ''تنظیم'' کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ اُن کی ایک خوبصورت اور طبع زاد تصنیف چھپ کر آ گئی ہے جس کا عنوان ہے: ''عہدِ حاضر میں' مثالی اسلامی ریاست کے خدوخال' خلافتِ راشدہ کی نظر میں''۔ عنوان ہی اس قدر جامع و واضح ہے کہ پورا متن آنکھوں میں کھنچ کر دل میں سما جاتا ہے اور کسی قسم کے تبصرے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس موضوع پر کتابیں اور بھی ہیں' لیکن اُن میں یا تو خلافتِ راشدہ کی ''مثالیت'' کا نقشہ کھینچا جاتا ہے یا پھر عہد حاضر کے حالات و کوائف پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں انتہائی اختصار کے ساتھ' کم سے کم اور سادہ سے سادہ لفظوں میں اسلام کے پورے سیاسی نظام کو اُس کے ماضی' حال اور مستقبل کے تناظر میں پختہ قلم کاری سے پیش کیا گیا ہے۔

''حرفِ اول'' میں کتاب کی غرض و غایت مصنف یوں بیان کرتا ہے: ''اس کتاب میں تاریخ خلافتِ راشدہ کے وہ اہم واقعات پیش کئے جا رہے ہیں جن سے دورِ حاضر میں ایک مثالی اسلامی نظامِ حکومت کے لئے رہنما اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں' تا کہ نہ صرف خلافت کے قیام کی جدوجہد میں شریک کارکنان کی نظروں میں اپنی منزل کا خاکہ متحضر رہے' بلکہ عام قارئین بھی تاریخِ اسلام کے ان اوراق سے رہنمائی حاصل کر سکیں''۔

کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں خلافت کا مفہوم متعین کیا گیا ہے' یعنی یہ کہ ''ایسی ریاست اور حکومت جس میں حاکمیت الٰہی کے اصول کو تسلیم کیا گیا ہو اور جس کا تمام ملکی و ملی نظام منہاج نبوت پر استوار ہو۔ جب یہ نظام موجود ہو تو اسے مضبوط و قائم رکھنا اور اس کی برکات کو دوسروں تک پہنچانا ادارۂ خلافت کی ذمہ داری ہے۔ اگر موجود نہ ہو تو اس کو قائم کرنے کی ذمہ داری اس وقت کے تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔''

خلافت کا یہ مفہوم اپنی مکمل شکل میں دورِ خلافتِ راشدہ میں صاف نظر آتا ہے۔ پھر حضرت حسنؓ کے بعد خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھوں سے گزرتی ہوئی یزید تک پہنچی تو اُس کے دور میں خلافت کی بجائے ملوکیت نے ایسے قدم جمائے کہ وہ آج تک مسلمانانِ عالم پر مسلط ہے۔ دوسرے باب سے ساتویں باب تک اس اجمال کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

آٹھویں باب میں ''عصر حاضر میں نظامِ خلافت کے خدوخال'' دکھاتے ہوئے مصنف کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریروں اور تقریروں سے استفادہ نہ کرتے' کیونکہ یہ ڈاکٹر صاحب کا موضوعِ خاص ہے۔ حتیٰ کہ دسویں باب کا عنوان بھی ڈاکٹر صاحب کے مخصوص جملے سے مستعار ہے ''کرنے کے اصل کام''۔ نویں اور دسویں باب میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ قیامت سے پہلے کل روئے ارضی پر اللہ کا دین قائم و نافذ ہو کر رہے گا اور یہ کہ اسے غالب و قائم کرنے کی ذمہ داری عصر حاضر کے مسلمانوں کی ہے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ یہ انقلاب برپا کیسے ہو گا؟ یہ انقلاب برپا کرنے کا طریق کار کیا ہو گا؟ اِن سوالوں کا جواب آخری باب میں ''تنظیم اسلامی'' کے مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلامی انقلاب کے جو چھ مراحل تیار رکھے ہیں' ان کی تشریح کی صورت میں دیا گیا ہے' یعنی دعوت' تنظیم' تربیت' صبرِ محض' اقدام یا چیلنج اور مسلح تصادم۔ اس کام میں کامیابی کی سند محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی ''تقریظ'' میں نوجوان مصنف کو ان الفاظ میں عطا کر دی ہے:

> ''موجودہ دور میں جبکہ اسلام پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کر کے مسلمانانِ عالم پر ظلم و ستم روا رکھا جا رہا ہے' اس بات کی ضرورت سب سے زیادہ ہے کہ دنیائے اسلام کے سامنے اسلام کے عادلانہ سیاسی' معاشی اور معاشرتی نظام کو مبرہن کیا جائے۔ عزیزم فرقان دانش کی یہ تصنیف ایک حد تک اس دعوتی مقصد کو پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی۔''

اس کتاب کا انتساب کتاب کی جان ہے۔ موضوع سے متعلق چند نظموں کی شمولیت سے کتاب کے معنوی حسن میں اضافہ ہو گیا ہے۔

ناشر: صفہ پبلشرز' لاہور

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈمی' 36۔کے ماڈل ٹاؤن' لاہور

صفحات: 176

قیمت: 80 روپے

(تبصرہ نگار: سید قاسم محمود)

انتقال پر ملال

ندائے خلافت کے مستقل قلمی معاون اور تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے امیر جناب مرزا ایوب بیگ کی والدہ 6 دسمبر 2002ء بروز عید دل کا دورہ پڑنے کے باعث 7 دسمبر کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بانی و رہبر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے مرحومہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ادارہ مرحومہ کے لواحقین کے دکھ میں برابر کا شریک ہے اور ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہے۔ تمام رفقاء و احباب بھی ہمارے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت میں شریک ہو جائیں۔

اللھم اغفر لھا وارحمھا وادخلھا فی رحمتک وحاسبھا حساباً یسیراً

اسرہ ہارون آباد کی ماہانہ شب بسری

اس شب بسری کے لئے اسرہ ہارون آباد کا قافلہ 12 اکتوبر کو سہ پہر تین بجے جامع القرآن سے ٹبہ نولاں مولاں کی طرف روانہ ہوا۔ چار بجے کے قریب قافلہ مسجد میں پہنچ گیا۔ نماز عصر ادا کرنے کے بعد اسرہ کے ناظم تربیت جناب ذوالفقار علی نے قرآن کے حقوق پر گفتگو کی۔ پھر رفقاء گاؤں میں دعوت کے لئے روانہ ہو گئے۔ الحمدللہ' دعوت کے زیر اثر مغرب کے وقت مسجد کا صحن لوگوں سے بھر گیا۔ نماز کے بعد جناب ذوالفقار علی نے پنجابی میں درس قرآن دیا۔ عشاء کی نماز کے بعد جناب نثار احمد نے سورۃ المزمل کے پہلے رکوع کا درس دیا۔ اس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔ نماز تہجد کے بعد رفقاء ایک ایک کر کے قرآن سناتے رہے۔ نماز فجر کے بعد جناب ذوالفقار علی نے درس قرآن دیا۔

نماز اشراق ادا کرنے کے بعد تمام شرکاء اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ (رپورٹ: محمد عظیم)

حلقہ سندھ (زیریں) کا مظاہرہ

عراق کے حوالے سے امریکی عزائم کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے کراچی میں 17 اکتوبر کو تقریباً ساڑھے تین بجے سہ پہر پریس کلب کے سامنے ایک مظاہرہ کا اہتمام کیا گیا۔ رفقاء کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اس میں شرکت کی۔ موقع کی مناسبت سے ہینڈبل طبع کروایا گیا تھا جس میں حلقہ کے امیر جناب محمد نسیم الدین کا مذمتی بیان درج تھا۔ انہوں نے مسلمان حکمرانوں کی جانب سے مناسب ردعمل نہ ہونے کا تذکرہ کیا اور انہیں متنبہ کیا کہ تھوڑے عرصے کے دنیوی اقتدار کے بدلے انہوں نے آخرت کا دائمی خسارہ مول لیا ہوا ہے۔ شرکاء نے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر مختلف عبارات درج تھیں:

☆ عالم اسلام کا اولین دشمن: امریکہ

☆ افغانستان کے بعد عراق پر حملہ: اب مسلمان حکمرانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

☆ We condemn brutal American attack on Iraq.

☆ مرگ بر امریکہ' مرگ بر بش

شرکاء مظاہرہ نے پوری قوت کے ساتھ جو نعرے بلند کئے ان میں سے چند یہ ہیں:

☆ ''فرعون وقت بش' نمرود وقت بش' دجال وقت بش''

☆ ''امریکہ نے کیا کیا' دنیا کو برباد کیا''

اس کے علاوہ نعرۂ تکبیر کی گونج نے صحافیوں کو رفقاء کی جانب متوجہ کیا۔ اس موقع پر جیو ٹی وی اور اے آر وائی والوں نے امیر حلقہ کا انٹرویو بھی لیا۔ یہ سلسلہ سہ پہر ساڑھے چار بجے دعا پر اختتام پذیر ہوا۔ اگلے دن مقامی اخبارات میں مظاہرے کی تصاویر اور بیان شائع ہوئے۔ مظاہرے کے دوران نظم کی یہ پابندی یقیناً قابل تحسین ہے کہ جب ٹی وی کے نمائندوں نے حلقہ کے ناظم جناب انجینئر نوید احمد کی جانب مائیک بڑھایا' جو نعرے لگوا رہے تھے تو انہوں نے اخباری نمائندوں سے محو گفتگو امیر حلقہ کی جانب اشارہ کر دیا کہ انٹرویو ہمارے امیر سے لیں۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

بانیٔ تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا ماہانہ دورۂ کراچی

بانیٔ تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد 5 اکتوبر کو کراچی تشریف لائے۔ اسی شب انہوں نے تنظیم اسلامی سوسائٹی کے زیر اہتمام گلستان انیس کلب میں ''غلبہ دین اور قومی انتخابات'' کے عنوان سے خطاب کیا۔ تنظیم کے موقف کا اعادہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ انتخابات کے ذریعے وطن عزیز میں اسلامی نظام کا نفاذ ممکن نہیں ہے۔ جب تک اس ملک میں جاگیرداری اور غیر حاضر زمین داری کا خاتمہ نہیں ہو جاتا' رائے دہی کا آزادانہ استعمال ممکن نہیں۔ مزید برآں' لوگوں کی ذہن سازی نہ ہونے کے باعث اکثریت کے ذہنوں پر سیکولر خیالات کا غلبہ ہے۔ تاہم متحدہ مجلس عمل کے باعث اب اسلام پسند ووٹ تقسیم ہونے کا خطرہ باقی نہیں ہے اور یوں قانون ساز اداروں میں دینی عناصر کی نمائندگی پہلے سے زیادہ موثر ہو سکے گی۔ اس کے ذریعے سیکولرازم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنا ممکن ہو گا' لہٰذا تنظیم اسلامی نے متحدہ مجلس عمل کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے۔

6 اکتوبر کو صبح گیارہ بجے قرآن اکیڈمی' ڈیفنس میں ماہانہ دعوتی پروگرام کے دوران سورۃ الدھر پر درس دیتے ہوئے محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے فرمایا کہ اس سورہ میں انسان کی اصل اوقات بیان کر دی گئی ہے کہ اس کی تخلیق گندے پانی کی اس حقیر بوند سے ہوئی ہے جس کا اپنی زبان پر تذکرہ لانا بھی اسے گوارا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سماعت و بصارت کی قوتوں سے نوازا ہے جس کے ذریعہ وہ حق کو پہچان سکتا ہے۔ آخر میں نبی اکرم ﷺ سے کہا گیا ہے کہ وہ دین کے باغیوں کے رویہ پر صبر کریں اور قیام اللیل کے ذریعہ ان باتوں کو برداشت کرنے کے لئے قوت حاصل کریں۔ بعد نماز ظہر انہوں نے رفیق تنظیم جناب شجاع الدین شیخ کا نکاح رفیقۂ تنظیم کے ساتھ پڑھایا۔ خطبۂ نکاح میں انہوں نے کہا کہ ہمارے دین نے نکاح کو سہل بنایا ہے اور اسے ایجاب و قبول' ادائیگی مہر اور ولیمے تک محدود رکھا ہے لیکن ہم نے کچھ ہندوانہ معاشرے سے متاثر ہو کر اور کچھ اپنی دولت کی نمائش کے لئے رسومات کا طومار باندھ رکھا ہے جس کے نتیجے میں غریب اور متوسط طبقہ کے لئے لڑکیوں کی شادی بہت بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ بعد نماز مغرب بانیٔ تنظیم نے قرآن اکیڈمی' یاسین آباد میں کراچی کی شمالی' وسطی اور شرقی تناظیم کے زیر اہتمام منعقدہ تفہیم دین کورس کے شرکاء میں اسناد تقسیم کیں۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دینی و دنیوی دونوں علوم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن افسوس کہ مادہ پرستی کے اس دور میں تمام توانائی دنیوی علوم کے حصول پر صرف ہو رہی ہے جبکہ علم وحی کی طرف سے لوگوں کی آنکھیں بند ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سائنسی ایجادات انسانوں کی ہلاکت خیزوں کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ اس افسوسناک صورت حال کے تناظر میں دینی فہم کے حصول کے لئے جن خواتین و حضرات نے بھی اس کورس میں حصہ لیا' وہ قابل ستائش ہیں۔ شرکاء کورس تنظیم اسلامی کے فکر اور اس کے طریقۂ کار سے کورس کے دوران آگاہ ہو چکے ہیں' اب ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غلبۂ دین حق کی اس جدوجہد میں عملی شرکت کا فیصلہ کریں۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی باغ کے زیر انتظام ''تفہیم دین کورس''

مرکز کی جانب سے پروگرام کے انعقاد کا مراسلہ موصول ہوتے ہی رفقاء نے پروگرام کی تشہیر کے لئے موزوں جگہوں پر بینرز آویزاں کر دیئے اور ایک ہزار ہینڈبل مختلف دفاتر' تعلیمی اداروں اور کاروباری حلقوں تک پہنچائے۔ پروگرام میں دو مدرسین مدعو تھے: پروفیسر خالد محمود عثمانی اور پروفیسر عبدالقیوم قریشی۔ پروگرام کا وقت نماز عصر تا مغرب رکھا گیا۔ کٹائی کے موسم کے باوجود تمام پروگراموں میں حاضری مناسب رہی۔

پہلا درس جناب پروفیسر خالد عثمانی نے ''راہ نجات'' پر دیا۔ انہوں نے مختصر مگر جامع انداز میں ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا باہمی ربط بیان کر کے حاضرین کے قلوب و اذہان کو جھنجوڑا۔ دوسرے پروگرام میں جناب عبدالقیوم قریشی نے اپنے مخصوص اور دلکش انداز میں ''دینی فرائض کا جامع تصور'' کے عنوان پر درس دیا۔ انہوں نے دینی فرائض کو بورڈ پر ڈائیگرام کے ذریعے جڑ سے چوٹی تک واضح کیا۔ قریشی صاحب نے ''انقلاب کا نبوی طریقہ کار'' اور ''بیعت کی اہمیت'' کو بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا۔ ہر پروگرام میں جناب قاری ملک عبدالجلیل تلاوت قرآن مجید کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ اس موقع پر انہوں نے بھی قافلہ تنظیم میں شمولیت کا اظہار کیا۔ تمام حاضرین نے پروگرام کو بہت سراہا۔ (رپورٹ: محمد عارف درانی)

شعبہ نشر و اشاعت' حلقہ لاہور کی ماہ اکتوبر میں سرگرمیاں

1) افغانستان پر امریکی حملے کا ایک سال مکمل ہونے پر پریس کلب کے باہر احتجاجی مظاہرے میں امیر حلقہ جناب مرزا ایوب بیگ کی تقریر کا پریس ریلیز اخبارات کو جاری کیا گیا۔

2) دوران ماہ بانی و رہبر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے دو مقامی تنظیم کے زیر اہتمام جلسوں سے خطاب فرمایا۔ ان دونوں خطابات کا پریس ریلیز جاری کیا گیا۔

3) امیر تنظیم جناب حافظ عاکف سعید کا مضمون ''کب کھلا تجھ پر یہ راز'' ندائے ملت میں اشاعت کے لئے بھجوایا گیا۔

4) اس ماہ امیر حلقہ کے 5 مضامین ''دن'' اخبار میں شائع ہوئے۔

5) محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے کالم بعنوان ''متحدہ مجلس عمل کی کامیابی...... ایک آزمائش'' کو پریس ریلیز کی صورت میں جاری کیا گیا۔

6) رمضان المبارک میں کیبل نیٹ ورک پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے دورہ ترجمہ قرآن کے ویڈیوز دکھانے کے لئے پورے لاہور کے کیبل آپریٹرز سے فرداً فرداً رابطہ کیا گیا اور ان کی ایک میٹنگ 21 اکتوبر کی شام مقامی ہوٹل میں منعقد کی گئی۔ اس میں جناب مرزا ایوب بیگ' جناب آصف حمید اور راقم نے کیبل آپریٹرز کے ساتھ تبادلہ خیال کیا جو بہت مفید ثابت ہوا۔ الحمد للہ اس رمضان المبارک میں لاہور کے 16 کیبل آپریٹرز بانی تنظیم کا دورہ ترجمہ قرآن دکھا رہے ہیں۔

7) حلقہ لاہور کے دفتر میں معروف صحافی جناب پرویز حمید سے امیر حلقہ کی میٹنگ ہوئی۔

8) محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے منتخب نصاب کی تلخیص پر مشتمل دو مضامین فیملی میگزین میں شائع کروائے گئے جبکہ مزید ایک درس کی تلخیص بھجوائی گئی۔

9) ڈاکٹر جناب عامر عزیز کی غیر قانونی گرفتاری کے خلاف ہونے والے مظاہرے کی پریس ریلیز جاری کی گئی۔ (رپورٹ: وسیم احمد)

ناظم حلقہ پنجاب (شمالی) کا دورۂ پنڈی گھیب

تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب (شمالی) کے ناظم جناب خالد محمود عباسی حلقے کا چارج سنبھالنے کے بعد پہلی دفعہ تنظیم اسلامی پنڈی گھیب کے دورہ پر آئے۔ یہ دورہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے دوران دورۂ ترجمۃ القرآن کی افتتاحی تقریب کے سلسلے میں تھا۔ امسال یہ پروگرام پنڈی گھیب میں جناب سیٹھ مختار احمد کی تعمیر کردہ جیوان مسجد میں ہو رہا ہے۔ جناب حافظ زبیر احمد تلاوت' ترجمہ اور مختصر تشریح کرا رہے ہیں۔ اس کے لئے مقامی رفقاء نے کافی محنت سے تشہیری مہم میں بھرپور حصہ لیا اور اب بھی گھر گھر دعوتی مہم جاری ہے۔ شرکاء کی حاضری 50 تک پہنچ گئی ہے۔ پنڈی گھیب میں یہ نیا انداز کافی حد تک متعارف ہو رہا ہے اور لوگ اپنے اپنے انداز میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ ناظم حلقہ نے اپنی تقریر میں رمضان المبارک میں برکات حاصل کرنے کا ذکر کیا۔ دن کے روزے اور رات کے قیام کی اہمیت کو علامہ اقبال کے مختلف اشعار سے مزین فرما کر اجاگر کیا۔ بعد ازاں اسی عنوان کے تحت کتابچے تقسیم کئے گئے۔ یہ پروگرام عشاء کی نماز تک جاری رہا جس میں 100 کے قریب حضرات شریک ہوئے۔ (رپورٹ عبدالرحمٰن نوید)

تنظیم اسلامی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام تفہیم دین کورس

یہ پروگرام مرکز کی طرف سے مقرر کردہ تاریخوں یعنی 26 سے 30 ستمبر کے درمیان بحسن و خوبی انجام پا گیا۔ الیکشن کی وجہ سے گو کہ حاضری مناسب نہ تھی مگر پھر بھی ہینڈ بلز اور بینرز کی وجہ سے عوام کی توجہ کا مرکز رہا۔

26 ستمبر کو بعد نماز مغرب جناب عبدالمنان نے ''راہ نجات'' کے موضوع پر گفتگو کی اور علامہ اقبال کے اشعار کا حوالہ دے کر اپنی گفتگو میں رنگ بھر دیا۔ 27 ستمبر کو ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' پر حلقہ گوجرانوالہ کے ناظم دعوت و تربیت جناب خادم حسین نے لیکچر دیا۔ 28 ستمبر کو ''فرائض دینی کا جامع تصور'' پر جناب عبداللہ نے خطاب کیا۔ 29 ستمبر کو جناب شمس العارفین نے ''غلبہ دین کا نبوی طریقہ'' پر تقریر کی اور اس بات کو ثابت کیا کہ جب تک ہم کامل اسوہ رسولﷺ اختیار نہیں کریں گے غلبہ دین مشکل ہے۔ اس کلاس میں تقریباً 40 احباب نے شرکت کی اور ان کی رائے کے مطابق یہ ایک جامع لیکچر تھا۔

30 ستمبر کو جناب طارق خورشید نے ''اجتماعیت اور بیعت کی اہمیت'' پر مفصل روشنی ڈالی اور جماعت بندی کے لئے بیعت کی اساس واضح کی۔ اس دن چونکہ آخری کلاس تھی لہٰذا تنظیم اسلامی کے تعارف کے ساتھ ساتھ شرکاء کورس کے تاثرات بھی لئے گئے۔ احباب نے کورس کے موضوعات کو بہت پسند کیا اور یہاں تک کہا کہ ہم نے آج تک ایسی باتیں نہیں سنیں۔ چار اور پانچ کلاسوں میں مسلسل شریک رہنے والوں کو خصوصی کتابوں کا تحفہ اور اعزازی سند دی گئی۔ (رپورٹ شاہد رضا)

اسرہ سواڑی کا دعوتی پروگرام

حلقہ سرحد (شمالی) میں اسرہ سواڑی کے زیر اہتمام 6 اور 7 اکتوبر کو ایک دعوتی پروگرام ہوا۔ ڈگری کالج کی جامع مسجد میں بعد نماز عصر ''امت مسلمہ کو درپیش مسائل اور ان کا قرآنی حل'' کے موضوع پر مولانا غلام اللہ خان حقانی نے مفصل خطاب کیا۔ کالج کے ہاسٹل میں مقیم طلبہ اور لیکچررز کے علاوہ سواڑی بازار کے دکانداروں نے بھی بیان کو سنا۔ مولانا حقانی نے نظام خلافت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

پروگرام کے دوسرے مرحلے میں کلپانی کی جامع مسجد میں بعد نماز عشاء مولانا حقانی نے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر خطاب کیا۔ آخری پروگرام جامع مسجد کلپانی میں بعد نماز فجر ہوا۔ مولانا حقانی نے سورۃ الرحمٰن کا درس دیا۔

ان پروگراموں میں مجموعی طور پر تقریباً 200 افراد نے شرکت کی۔ (رپورٹ: حاجی قاسم)

کراچی کی شمالی' وسطی اور شرقی تناظیم کے زیر اہتمام تفہیم دین کورس

یہ پروگرام 25 تا 29 ستمبر کے دوران قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں منعقد ہوا' جس میں اوسطاً 100 سے زیادہ حضرات اور 70 خواتین نے شرکت کی۔ موضوعات اور ان سے متعلقہ مدرسین درج ذیل تھے۔

☆ راہ نجات	جناب انجینئر نوید احمد
☆ نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	جناب عامر خان
☆ فرائض دینی کا جامع تصور	جناب شجاع الدین شیخ
☆ غلبۂ دین کا نبوی طریق کار	جناب اعجاز لطیف
☆ اجتماعیت اور بیعت کی اہمیت	جناب انجینئر نوید احمد

کورس کا اہتمام روزانہ بعد نماز مغرب کیا گیا۔ مرد حضرات اور خواتین کے الگ الگ انکلوژرز بنائے گئے۔ نوٹس پروجیکٹر کے بذریعہ سلائڈ دکھائے گئے۔ کورس کے ناظم کے فرائض تنظیم اسلامی کراچی (وسطی) کے امیر جناب اشفاق حسین نے ادا کئے جبکہ خواتین کے انتظامات کی نگرانی مقامی ناظمہ صاحبہ نے کی۔ حلقہ سندھ (زیریں) کے امیر جناب محمد نسیم الدین اور ناظمہ حلقہ خواتین روزانہ پروگرام میں موجود رہے۔ لیکچرز کے بعد شرکاء کو 20 معروضی سوالوں پر مشتمل ایک سوالنامہ دیا جاتا اور اسے موقع ہی پر حل کروایا جاتا۔ اس کا پہلا مقصد تو یہ تھا کہ شرکاء میں متعلقہ موضوعات کے اہم نکات کو ذہن نشین کروایا جائے' دوسرا یہ کہ معلوم کیا جائے کہ کون کون سے احباب نے پانچوں دن شرکت کی اور تیسرا یہ کہ تمام شرکاء کے کوائف حاصل کئے جائیں۔ پروگرام کا دورانیہ تقریباً پونے دو گھنٹہ ہوتا۔

6 اکتوبر کو جلسہ تقسیم اسناد کا اہتمام کیا گیا۔ بانی تنظیم محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے کورس میں پانچوں دن شریک رہنے والوں میں اسناد جبکہ چار دن شریک رہنے والوں میں کتابیں تقسیم کیں۔ خواتین میں اسناد ناظمہ حلقہ خواتین کراچی نے تقسیم کیں۔

منتظمین نے شرکاء کے فالو اپ کے لئے بھی پروگرام طے کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے یہ توقع ہے کہ وہ ہمیں ان میں سے افراد مہیا کر کے اپنے دین کے غلبے کی جدوجہد کو تقویت پہنچائے گا۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

دعائے مغفرت

سانگلہ ہل سے رفیق تنظیم محمد حیات کی والدہ کا گزشتہ دنوں انتقال ہو گیا ہے' انا للہ وانا الیہ راجعون! رفقاء و احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

hypocrisy – under which Israel is given arms worth 2.5 billion at the same time when an anti-Israel Muslim state is being disarmed by force – everyone starts considering offence as the best defense.

No matter how much analysts such as Brink Lindsey of the Cato Institute may call memorization of the Holy Qura'an "rote memorization of ancient texts," no matter how the focus of the message of Islam is twisted to present it "anti-women," the Western suppression of critical inquiry into their double standards, dissent of their policies, resistance against subjugation of Muslims would only grow with time. Introduction of a few opportunist, self-proclaimed "moderates" cannot prove civilisational decline of Islam.

Any attempt at creating classes such as "decent, but passive, Muslim center" and "harsh fundamentalism" would succeed but temporarily. Those who are considered as "intolerant bigots" are those who lose their temper, but it doesn't mean that the rest do not share their views and they would not stand by Islam if it came to the more open confrontation with Islam. Publicly distancing oneself from those Christians who smear Islam with a broad brush does not guarantee an all out private war on weakening Muslim states at any cost. Regular denunciation of "bigot Christians" by your "moderate majority". is no answer to the same sources justifying your double standards and unjust foreign policies. The approval, for instance, for going to war with Iraq without even knowing Iraq's crime or even just the whereabouts of Iraq is the weakness of your society.

Those who have read history know that your civil wars were different than the war people like Thomas Friedman want to ignite "within Islam." You must not urge Muslims to cut each other's throat. No one among us is taking us back to the Dark Ages. Present is the Darkest Age of Islam, not the past because we are quick to support the US war on Iraq and Afghanistan but have to guts to stand for the rights of the Palestinians all of whom in a few months time would have been strip searched by the Israeli soldiers. It is because we do not have the will; we do not have the courage; the knowledge, the strength that we used to have in our "Dark Ages" – the Dark Ages, when memorizing Qura'an was not "rote memorization of ancients text" to us. It was a time when there were no moderates and fundamentalists among us; when we didn't considered teachings of Islam as tools for "subjugating women."

Friends, unless you stop promoting a war within Islam, there is going to be a war between our civilizations. We're just one more American occupation of a Muslim country away from that. So let's dedicate this next year to fighting intolerance and insanity at the policy levels in Western capitals so we can preserve our good relations with common man in the streets of Europe and America.

Sincerely,

Muslims without any tag

End Notes

(1) Reporter Mark Leff, CNN World News, November 5, 1995, Web posted at: 12:30 a.m. EST (0530 GMT)

(2) "Israeli rabbis call for killing the Arabs," Palestine-Israel, Politics, July 28, 2001 (http://www.arabicnews.com/ansub/Daily/Day/010728/2001072817.html)

(3) http://www.arabicnews.com/ansub/Daily/Day/021026/2002102611.html

(4) ""KILL, KILL THE ARABS!" BBC Online, Tuesday, 10 April 2001, 16:01 GMT 17:01 UK, "Rabbi calls for annihilation of Arabs," in a sermon delivered on Monday, April 10, to mark the Jewish festival of Passover.

مکتوب شکاگو

بغداد کا چور!

رعنا ہاشم خان

دنیا کا دوسرا most wanted man صدام حسین بقول وہائٹ ہاؤس "چوہا، چور، شیطان، قاتل" اور نجانے کیا کیا ہے۔ اس وقت جبکہ واشنگٹن میں بش انتظامیہ کا پریشر ککر اُبل اُبل کر بغداد پر پھٹ پڑنے کو تیار ہے۔ بغداد کا نیا چور جارج بش دنیا کو یہ یقین دلانے اور ثبوت مہیا کرنے میں قطعاً ناکام ثابت ہو رہا ہے کہ صدام دنیا کی سلامتی اور خصوصاً مغرب کے لئے خطرہ ہے۔ اس کے برعکس تند و تیز بیانات دینے اور ہزاروں نوجوان امریکی فوجیوں کو عرب کے تپتے جھلتے صحراؤں میں جھونکنے کی تیاری عروج پر ہے۔ جارج بش ۲۰۰۴ء کے انتخابات جیتنے کے لئے اسرائیل کے ایماء پر صدام حسین کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہے گا۔ دنیا بھر پہ تسلط کی خواہش اس شخص کے خون میں دوڑ رہی ہے۔ عراق پر حملہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی کہ اس پر گزشتہ بارہ سال سے جنگ مسلط ہے۔ لاکھوں عراقی عوام اور بچے اس جنگ کی ہولناکیوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایک طرف عراق معاشی اور تجارتی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے تو دوسری جانب امریکی و برطانوی جنگی جہاز عراق کی فضاؤں میں کرتب دکھانے پہنچ جاتے ہیں۔ بش سینئر نے جو کام شروع کیا تھا ابنِ بش اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے' کہ ۲۰۰۴ء کے انتخابات کی جیت اور امریکی تیل کمپنیوں کا عراق کے قومی تیل پر قبضہ دنیا میں امریکی اجارہ داری کو مزید مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ اسرائیل کے لئے ایک خطرے کا خاتمہ بھی ہے۔ بش نے مسلمانوں کے ووٹوں کی بدولت جب سے اقتدار سنبھالا ہے اس کا جھکاؤ اسرائیل کی طرف ہو گیا ہے' اب اگر بش ہوش بھی سنبھال لیں تو دیکھیں گے کہ گزشتہ دو برسوں میں بش انتظامیہ دفاع پر کئی بلین خرچ کر چکی ہے۔ ان کے دورِ حکومت میں دو سو ملین افراد بے روزگار ہو چکے ہیں اور بقول ایک مقامی دانشور امریکی معیشت کی رولس رائس چھکڑے میں تبدیل ہو چکی ہے۔ ماہرین کی ایک رپورٹ کے مطابق اس جنگ میں پانچ لاکھ لوگوں کی ہلاکت کا خدشہ ہے لیکن اگر جنگ میں جوہری ہتھیار استعمال کئے گئے تو ہلاک ہونے والوں کی تعداد چالیس لاکھ تک ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس جنگ کے نہ ہونے کی صورت میں دنیا کی معیشت بہتری کی طرف گامزن ہو جائے گی۔

تیل پر قبضے کے لئے لڑی جانے والی اس جنگ کے اصل کردار بش خاندان نے اپنی دولت کے انبار تیل ہی سے اکٹھے کئے ہیں۔ سابق صدر بش آج کل کارلی ایسل گروپ کے ساتھ کام کر رہے ہیں جو کہ دنیا بھر میں تیل کی کھدائی اور اس کی ٹرانسپورٹ پر اربوں ڈالر کی انوسٹمنٹ کرتا ہے۔ تیل کے یہ بیوپاری بغداد میں تیل چرانے کے لئے داخل ہوا ہی چاہتے ہیں لیکن ایک چیز ہلاکتوں کا تخمینہ لگانے والے ماہرین کی نظر سے ابھی پوشیدہ ہے کہ امریکی عوام اس جنگ کے خلاف سراپا احتجاج ہیں اور بہت جلد امریکی پالیسیوں کے خلاف امریکہ ہی سے کوئی تحریک اٹھے گی جو بغداد کے اس "تیل چور" پر وہائٹ ہاؤس کا گیٹ کھلتے ہی بھوکے بھیڑیوں کی مانند ٹوٹ پڑے گی۔

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: Abidjan@tanzeem.org)

Taming the Hegemons

To : Leaders of the Western world
From : Muslims without any tag of moderate or radical Islam

Dear Sirs,

As you approach Thanksgiving and we approach the end of Ramadan, we thought it would be a good time for us to share with you some concerns. Let us be blunt: We are increasingly worried that we are being driven toward a civilisational war.

How so? Well, let us point out just a few news stories in recent days, which have been blown out of context to make excuse for a war between civilisations. Imam Samudra, the Indonesian Islamist has been accused of masterminding last month's Bali bombing. He has not been convicted. Even if reports of his confession that it was a "holy bomb" that ripped apart that disco is true, still he is an individual. If there is nothing "holy" about a bomb that kills 200 people just because they are foreigners, so could nothing turn a bomb into "Ramadan present," as one of the US air force officer chalked on a bomb for targeting Iraqi Muslims. If that could be one lone officer's wish, "Holy bomb" in Bali could also be a lone Imam's description.

Then we are forced to read well-publicized stories about Bonnie Penner, a young U.S. missionary nurse at a prenatal clinic in Sidon, Lebanon, which provided care for needy Palestinians and Lebanese. Of course killing her is a gruesome and unacceptable act. However, to argue that only she was shot for who she was is wrong. Muslims die in scores on weekly basis simply for who they are is enough to justify occupation of their lands, repressing them from generation to generation and killing them with no remorse of links to codes of humanity and civilized conduct.

There is no doubt that Azmi Abu Hilayel, whose son Na'el strapped himself with dynamite and blew up an Israeli bus with school kids, was quoted as saying: "I thanked God when I heard that my son had died in an operation for the sake of God and the homeland." Of course the God of Islam does not bless indiscriminate killing but it is wrong to equate Israeli soldiers killing dozens of Palestinian children with killings as a result of "suicide" bombing by Palestinians. God does not bless Israeli killing but He definitely approves and blesses resistance to occupation and oppression.

Analysts such as Thomas L. Friedman may not hear Israeli generals, parents or rabbis thanking God their sons could kill Muslim kids. The reason one side thanks God and the other does not is simple: one has the power the other does not. One can run in tanks, helicopters and F-16 planes at any time it may wish to kill a few Palestinian enemies The other, however, plans and waits for an opportunity and thanks God when its has it. As far the pride over and inciting violence goes, Israeli's are not far behind the few Muslim clerks quoted by your press time and again. Didn't Rabin order to kill bones of Palestinians in 1995? (1) Don't you see Israeli soldiers taking pictures with dead Palestinians?

Did the Israeli rabbi Munir Lao not hale the killing of Palestinian children and youth by the Israeli settlers? Did the Israeli rabbi Ovadia Youssef not describe the Arabs as snakes that should be killed" He said:" The Palestinians should be killed especially in Jerusalem because they are like ants and when the Masiah (Christ) comes he will disperse the Arabs." (2) Did one of the most important Israeli Rabi, Mordekhai Elyaho, not justify stealing of Arab properties as recently as October 26, 2002? (3) And, did the spiritual leader of Israel's Shas party, Rabbi Ovadia Yosef, not forbid "to be merciful" to Arabs? Didn't he order: "You must send missiles to them and annihilate them. They are evil and damnable." (4) Why shall countless statements like these be individual views but any such statement from amongst the Muslims is voice of a "harsh fundamentalists" who have dominated the "decent moderates"?

The Americans had two marines shot in Kuwait, a country they helped rescue from Saddam, and they saw one of their top aid officials in Jordan killed in his front yard for a similar "crime" — being an American in the Muslim world. This killing is wrong but could not outweigh deaths of more than twelve thousand Afghans since October 7, 2001 and millions of Iraqis since 1990, just because they are Muslims and happen to be living under governments which the US propped up in the first place and then decided to overthrow them with all the available force at its disposal. Thousands of people are getting killed in Algeria, Chechnya, Kashmir and elsewhere not because all of them are terrorists but because they are Muslims and any excuse is good enough to justify their massacre.

You say all this is happening because of a deeply intolerant strain of Islam that is a response to your failing states, squandered oil wealth, broken ideologies (Nasserism) and generations of autocracy and illiteracy. We say it is not only due to your support Israeli aggression, continued occupation and repression but also due to your support of kingdoms, autocracies and military dictatorships around the world. It is the US forces who restored the undemocratic regime of Kuwati ruling family. It is the American forces which are protecting the House of Saud from being toppled. It is the US money that is keeping Egyptian dictator in power. It is the American support that helped Pakistani dictator extend his rule to another five years.

We are sure that there is no rise of armed, angry and harsh fundamentalism among our midst. We think there is a limit to duplicity and double standards. When pushed against the wall, when discovered that there is no end to western

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

Win Hearts with Democracy

BEING a dictator in Muslim countries still comes with the job security as it used to be. Undoubtedly, tyrants who once seemed invincible started losing their grip since 2000, especially those who hid their despotic tendencies behind a fig leaf of democratic process. But not in Muslim states.

At the ballot box, in courtrooms and on the streets, once-obedient subjects have begun a widespread revolt. Again, not in Muslim states, at a horrible cost of losing hearts and minds of Muslim masses.

After a blood-soaked decade in power, Yugoslavia's Slobodan Milosevic was toppled in October, 2000 in a revolution triggered by his landslide defeat in elections. A few weeks later, Peru's Alberto Fujimori tendered his resignation under the most humiliating circumstances. Mexico's Institutional Revolutionary Party (PRI) was voted out after 71 years of virtual one-party rule. A year earlier, public protests forced Nigeria's military rulers to submit to elections, bringing civilian rule for the first time in 15 years.

After public humiliation of Chilean dictator Augusto Pinochet, Reed Brody, advocacy director of Human Rights Watch, a New York human rights group said: "What we see now is dictators can hide, but they cannot run." There are exceptions to this trend and interestingly almost all of them in the Muslim countries, where optimism about fledgling democracies continues to be overshadowed by a handful of repressive rulers, particularly Hosni Mubarak and Pervez Musharraf. The reason these two stand out is that the rest have justified themselves in the form of one family rule, but these two are stealing in the name of democracy.

The stronger the support from the West, the stronger the hold dictators have, especially in the countries on the US hit list. Culture and civilization seem to matter here. The tyrants most susceptible to collapse, it seems, are predominantly non-Muslims and surrounded by countries already on the road to democracy. Most entrenched are dictatorships in countries identified by the US analysts are the future foes in a "clash of civilizations."

The influences that according to human rights and democratization studies contribute to the collapse of dictatorships seem to be not working in Muslim countries due to suitability of dictatorship to the warriors of the "war on terrorism." Despite opposition movements having increased access to information -- including from other successful liberation movements -- dictators do not tend to become isolated and out of touch.

Dictators are now playing the game of running democracies. Authoritarian countries seeking foreign investment and integration into the world's financial and political organizations are feeling no pressure to at least pretend to conform to human rights and governance norms. Pressure on non-Muslim governments to achieve at least the appearance of legitimacy has forced leaders like Zimbabwe's Mugabe to submit to elections -- the vehicle for Milosevic's and Fujimori's downfalls.

US and its allies, who proclaim to honor democracy and freedom, have embraced dictators only because they seem to serve American interests. Like his predecessors, President Bush is falling for the illusion that tyrants make great allies. In some cases, there may appear to be no practical alternative. It would have been much more difficult to dislodge the Taliban from Afghanistan without the cooperation of Gen. Musharraf. Washington's longstanding ties to the Saudi royal family have ensured a steady flow of oil to the West for most of the last 60 years. However, should oil and imaginary enemies of the US dictate the fate of suffering humanity at the hand of these tyrants?

There must be a difference between making alliances of convenience and uncritically working with dictators. Muting its support for democracy and human rights leads to more and more anti-Westernism in these societies. The autocratic friends of Washington are simply turning their countries into breeding ground for anti-American hostility. Violent feelings and subsequent terrorism will retreat only where democracy advances, not where autocrats muzzle political expression or manufacture votes to project an image of democratically elected leaders abroad.

The latest political developments in Pakistan in particular are quite discouraging. Anyone may call it a democracy but not this scribe who sees, apart from many legal complications, front-page pictures in newspapers of an elected prime minister taking lessons from a president in military uniform. This is the direct result of what *Washington Post* described in its August 25, 2002 editorial as undoing the "sense of balance" required for promoting democracy in Muslim countries. The editorial says: "The State Department's effort to get that balance right last week was pretty much undone by President Bush, who in an off-the-cuff comment conveyed a sense that democracy in the South Asian country [Pakistan] isn't all that important to him."

The cost of cozying up to dictators in this fashion is far more than the capacity of both the suffering masses in Muslim states and supporters of autocracies in the West. Meeting West's short-term military and diplomatic needs should not require abandoning its democratic and human rights principles.

As far Pakistan is concerned, it is not all over yet. Putting pressure on Musharraf to withdraw LFO and resign from the position of Chief of Army Staff may do the much-needed trick restoring democracy in Pakistan. For elsewhere there could be other suitable strategies, which alone, in the end, would pave the way for winning hearts and minds of Muslim masses.

The author is Executive Director of the Independent Center for Strategic Studies and Analysis (ICSSA) in Pakistan. His latest book ***"A War on Islam?"*** *has just been released in UK.*